بسمل
میرالنساء شاہ میر

بسمل

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم مہر النساء شاہ میر

All Rights Reserved

Copyright: Mehrulnisa Shahmeer (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ضروری بات

بسمل کے تمام جملہ حقوق لکھاری "مہرالنساء شاہ میر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قسط نمبر:09

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

باب دہم

"کرو تم خود کو معاف۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

تم جو کہتے ہو کیا تم نے فلاں کو معاف، مانگی تم نے فلاں سے معافی۔

جو نہ گراں گزرے تو مجھ کو بتلاؤ ایک بات، کیا تم نے کیا ہے کبھی خود کو معاف؟

ہے حیرت کیسی تمھارے چہرے پہ کیا جانتے نہیں خود کو معاف کرنے کے اوصاف۔

آؤ بتلاؤں میں، بیٹھو جتلاؤں میں، خود کو معاف کرنا ہے دنیا کا سب سے مشکل، سب سے اہم کام۔

کرو تم خود کو معاف، کہ غلط انسان پہ کیا اعتبار، کہ تم نے اغیار کو دیا خود پہ اختیار۔

تھے تم کبھی بے عقل، اور بنے تم بے وقار۔ ہو گر پڑے اب تخت سے مگر کبھی تھے شہسوار۔

کیا ہے ظلم، اپنی جان جذبات ساتھ، جو اگر سوچو تو تم ہو اپنے لئے سب بڑے کزاب۔

عزیز من کرو تم خود کو معاف کہ جوانی رہی تمھارے ساتھ غیر انصاف۔

دوستوں کی سہی بے رخی، محبتیں نبھا نبھا کر کمر جھکی۔

کرو تم خود کو معاف، تھا مقدر میں یہ ٹوٹا دل، درد کے ماہ و سال۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ڈھنڈورا پیٹو گے کب تلک، دو گے خود کو کب تک عذاب۔

کرو تم خود کو معاف کہ یہی ہیں، تمہارے سکون کی ضمانت، امیدوں کے سورج کا ابھرتا آفتاب۔

سفید رنگ میں ڈوبے اس عالیشان گھر کے اندر کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ منظر پہ لگی بتیوں کی وجہ سے وہ گھر دیکھنے والوں پہ رعب ساطاری کرتا تھا۔ گھر کے اندر آؤ تو لاؤنج کے صوفے پہ کوئی عورت بیٹھی تھی۔ گود میں ایک کاغذ رکھا تھا۔ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ ہلکی سی زرد روشنیوں میں اسکا سراپا نظر آتا تھا۔ سیاہ رنگ کے سلک نائٹ سوٹ میں ملبوس، ناک کی بالی اس پہر دمک رہی تھی۔ اسکی آنکھوں کے آگے مناظر ٹوٹے بکھرے تھے۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی کے ساتھ ماضی کا سفر طے کرو تو کہانی اپنے اوراق پلٹ کر وقت کی دبیز تہوں میں لپٹے کئی مدفن راز کھولنے کو بے تاب تھی۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میرہ کی یونیورسٹی ختم ہو گئی تھی۔ اور ان دنوں وہ جاب کی تلاش میں تھی۔ یہ وہی دن تھے جب قیسم کو بخت لگنے لگا تھا۔ اور کمبیر خاندان کے بگڑے معملات بلاخر ڈگر پہ آنے لگے تھے۔

منظر ایک کیفے کا ہے۔ انگریزی طرز پہ بنے اس کیفے کی دیواروں پہ مختلف پینٹنگز سجی تھیں۔ خوابناک سے ماحول میں دو نفوس کی طرف آؤ تو میرہ سرور کمبیر کے سامنے محب ملک بیٹھا تھا۔ میرہ کے چہرے کے آگے موبائل تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ محب ملک کی آنکھوں میں محظوظ کن سا تاثر تھا۔ میرہ کے کندھے سے جھانک کر سکرین دیکھو تو وہاں ایک منظر تھا۔

فارم ہاؤس کے لان میں کئی لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں گلاس لئے کھڑے تھے۔ انہی میں سے ایک میرہ کمبیر بھی تھی۔ جسے ویٹر ایک گلاس تھما رہا تھا۔ میرہ نے مسکراتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا گلاس لے لیا۔ ہاتھ سے کندھے تک آتے چھوٹے بالوں کو پیچھے کیا۔ اور سامنے سے آتے محب کو دیکھا۔ کچھ عرصہ ہوا تھا کہ وہ محب سے دور رہنے لگی تھی۔ اسکے پرو پوز کرنے، میرہ کے انکار کرنے کے بعد کچھ تھا جو انکے درمیان آ گیا تھا۔ وہ میرہ کے قریب آ کر رکا تو دونوں کے درمیان آکورڈ سی خاموشی چھا گئی۔

"میں "ناں" سمجھتا ہوں میرہ۔" کافی دیر بعد محب نے بات کا آغاز کیا۔ "ہمارے درمیان اگر کچھ ہو گا تو تمہاری رضا مندی سے۔ اور اگر نہیں تو یہ دنیا ختم ہو جانے والی بات نہیں۔" میرہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ کیا وہ سچ کہہ رہا

تھا؟"میں جذبات کا اظہار کر دینے والا انسان ہوں۔ تمھارے لئے دل میں جو تھا کہہ دیا۔ تم نے انکار کر دیا اب موو آن۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تم اچھے ہو محب بہت اچھے۔ لیکن میں ایک برے فیز میں ہوں۔ دنیا میں میرے لئے اگر کوئی سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو وہ میرے دونوں بھائی ہیں۔ میرے خاندان کے متعلق تم جانتے ہو۔ ہم ایک ٹریجڈی سے گزرے ہیں۔ اور اب جب سب صحیح ہو رہا ہے تو میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟"

محب نے سر ہلا دیا۔ اور میرہ کو دیکھ ہلکا سا مسکرایا۔ میرہ کے دل سے بوجھ اترنے لگا۔ اس کے بعد اس نے محب کے ہاتھ سے گلاس لیا تھا۔ اس کے بعد وہ چند پل اسکے ساتھ کھڑی رہی آگے اسے کچھ یاد نہیں آ سکا۔ اور اب حال میں وہ چہرے پہ دہشت لئے سکرین کو تک رہی تھی۔

اسی سیاہ رنگ کی میکسی میں ملبوس وہ ہوش و خرد سے بے گانہ گاڑی کی پچھلی نشست پہ لیٹی تھی۔ اور محب اس پہ جھکا ہوا تھا۔ تصاویر کچھ اس انداز سے لی گئی تھیں کہ محب کا نیم رخ نظر آتا تھا مگر میرہ کا پورا چہرہ واضح تھا۔ موبائل پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑی۔ وہ بے جان سی پیچھے کو ہوئی۔ آس پاس دھماکے ہونے لگے تھے۔

"دو سال میرہ . . . . دو سال میں تمھارے آگے پیچھے گھومتا رہا۔ دو سال تم نے مجھے گرین سگنل دیئے۔ اور اب تمہیں لگا تم مجھے محب ملک کو انکار کرو گی؟ میں نے اپنی زندگی میں کبھی انکار نہیں سنا۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا۔ "تم میرے لئے میری ملکیت جیسی ہو۔ جس عورت پہ میری نظر پڑی ہو تمہیں لگتا ہے میں اسے کسی اور کا ہونے دوں گا؟"

میرہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ کیسے دھوکہ کھا گئی؟ اتنے سالوں کی دوستی میں اسے کیسے معلوم نہ ہو سکا کہ محب نارسسسٹ ہے۔

"ایک ہفتے کے اندر اگر جواب ہاں میں نہ آیا تو یہ ویڈیو اور تصاویر پورے سوشل میڈیا پہ گردش کریں گی۔" وہ بیگ میں اپنا سامان ڈال رہی تھی۔ سانس رک رہا تھا۔ دل بند ہو رہا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"ویسے ان دنوں تمہارا خاندان کوئی نیا اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا یاد رکھنا۔" وہ اسے نہیں سن رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم لیتی اس کیفے سے باہر نکل گئی۔ اسے لگا کیفے اسکا دم گھونٹ رہا تھا۔ مگر باہر آکر اسے معلوم ہوا اسکی گردن ایسی رسی میں جکڑی جا چکی ہے جو جگہ بدل لینے سے غائب نہیں ہو جائے گی۔ سانس اب بھی رک رہا تھا۔

چار دن گزر چکے تھے۔ پورے چار دن۔ مگر میرہ سرور اب بھی اس کیفے والی ملاقات کے زیر اثر تھی۔ اس وقت اسکے کمرے میں اسکی ایک دوست بھی موجود تھی جو اس پہ برس رہی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے میرہ؟" وہ کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔ "ایک ہراسر، بلیک میلر اور نارسسٹ سے شادی کا انجام جانتی ہو؟"

"کم از کم وہ شادی تو کر رہا ہے۔ ورنہ اگر وہ ویڈیو لیک ہوئی تو میرہ سرور کمبیر پہ کوئی مرد تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔" زرد چہرے کے ساتھ اس نے اپنا مذاق اڑایا۔

"تو تم کسی مرد سے کچھ بھی کیوں چاہتی ہو؟ عزت ذلت، شادی، سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک مرد کے ہاتھوں بلیک میل ہونا، اور پھر اسی سے شادی کرنا یہ بے وقوفی ہے۔"

"مجھے میرے خاندان کو بچانے کے لئے یہ سب کرنا ہو گا۔" اسکی دلیل کمزور تھی۔

لڑکی چکر کاٹتے ہوئے رکی اور دھیرے سے اسکے پاس آکر بیٹھی۔ میرہ کے ٹھنڈے برف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ "مجھے نہیں پتہ میرہ شادیاں کیوں کی جاتی ہیں۔ لیکن کسی قسم کی امارات، مفادات کی خاطر نہیں کی جاتیں۔"

"سمجھوتے؟ وہ تو ذاتی مفاد کی خاطر کئے جا سکتے ہیں ناں؟"

"سمجھوتے زیادہ دیر نہیں چلتے۔" سنہری آنکھوں کو خبردار کیا گیا۔ "اسکا مسئلہ کیا ہے جانتی ہو؟ وہ ان مردوں میں سے ہے جو ناں کو انا سمجھتے ہیں۔ تمہیں لگتا ہے اس ویڈیو کے دب جانے سے مسئلہ ختم ہو جائے گا؟ حالانکہ مسئلہ اب سے شروع ہو گا۔" فکرمندی سے اپنی دوست کو دیکھا۔ "یہ شروعات ہے ایک خراب شادی کی۔ وہ ہر بات میں حاکمیت

چاہے گا۔وہ ہر چھوٹی چھوٹی بات کا بتنگڑ بنائے گا۔ہر ناں کو انا سمجھے گا۔اول تو وہ زبان سے سمجھائے گا۔مگر کچھ مردوں کی انا اتنی اونچی ہو جاتی ہے کہ وہ خود کو ناں کہنے والی عورت سے کسی بھی طرح ہاں کہلوانا چاہتے ہیں۔یہ سمجھوتہ زیادہ دیر نہیں چلے گا میرہ۔"

"میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے۔اب جو ہے یہی ہے۔" میرہ فیصلہ کر چکی تھی۔

کہانی میرہ سرور کی محب ملک سے شادی کی داستان پہلے ہی بیان کر چکی ہے حال میں واپس آؤ تو کمبیر محل، کیفے غائب ہو چکا تھا۔حال میں صوفے پہ بیٹھی میرہ کمبیر کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔کھڑکی سے آتی ہلکی سی روشنی میں اسکے چہرے پہ تھپڑ کے واضح نشان نظر آتے تھے۔ہاتھوں میں ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا۔کاغذ کا وہ ٹکڑا میرہ سرور کمبیر کی پریگنینسی رپورٹ تھا۔دوسرا بچہ۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" چوکھٹ پہ کھڑے محب کی آواز میں ناگواری تھی۔وہ خوشبوؤں میں رچا بسا نک سک سے تیار کسی پارٹی سے لوٹا تھا۔رات کے اس پہر میرہ کو یہاں بیٹھے دیکھ وہ اسکی طرف آیا۔"تم سے ہزار بار کہا ہے مجھ سے ضد مت کیا کرو۔ہزار بار کہا ہے مجھے ناں سننا پسند نہیں ہے لیکن تم اتنی ڈھیٹ ہو کہ کچھ سمجھتی ہی نہیں۔" وہ اسکے پاس آ کر بیٹھا۔بازو اسکے گرد پھیلایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مجھے مذید بچے نہیں چاہئے میرہ۔اور یہ بات میں نے تمہیں بہت تحمل سے سمجھائی۔لیکن کچھ عورتیں بہت ڈھیٹ ہوتی ہیں اور دیکھو کیا ہو گیا۔" اس نے میرہ کی چہرے کو چھوا۔انگلیوں کے صاف نشان۔"ہم ابارشن کروائیں گے اور تم کچھ نہیں کہو گی اوکے؟" اس نے میرہ کو اپنے کندھے سے لگایا۔"دین نے عورتوں کی کچھ حدود مقرر کر رکھی ہیں۔جو عورت اپنے شوہر کی بات مانتی ہے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔دین کی مانو، اللہ کے احکام مانو میرہ۔"

"تم مانتے ہو دین کو؟ اللہ کے احکام کو؟" وہ اسکے کوٹ پہ انگلی سے لکیریں کھینچ رہی تھی آنسو خشک ہو گئے تھے۔۔روشنی اسکے عکس پہ پڑ رہی تھی۔"حمل ضائع کروانا اللہ کی نزدیک گناہ ہے۔بیوی پہ بلاضرورت، بلاوجہ ہاتھ اٹھانا اور طعنے دینا بھی غلط۔تم بھی تو دین کو مانو ناں محب۔" اسے خود سے دور کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔آنکھوں میں سرخ ڈوریاں ابھر

آئیں۔ میرہ اب بھی اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "دین سے اپنے فائدے کے احکام نکال کر باقی ہر حکم خارج کر دیا؟" اسکا لہجہ سادہ تھا مگر محب کو اپنے چہرے پہ تھپڑ پڑتے محسوس ہوئے۔

"تم جیسی گھٹیا عورت کے منہ ہی نہیں لگنا مجھے۔ جو میں کہوں گا اس گھر میں وہی ہو گا۔" وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔ میرہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔ بکتے جھکتے اسے گالیاں نکالتے اسے کوستے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ رپورٹ ہاتھوں میں لئے بیٹھی رہی۔

"میں تمھارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گی۔" معدے سے ذرا نیچے ہاتھ رکھ کر کسی کو تسلی دی گئی۔ نیم اندھیرے میں بیٹھی وہ عورت زندگی میں پہلی بار اپنے لئے کچھ کرنے والی تھی۔

موجودہ وقت سے چند سال قبل۔

یہ اس دن کا ذکر ہے جس دن قیس کمبیر تھانے میں تین دن گزار کر آیا تھا۔ تھانے کے باہر کھڑی گاڑی میں بختیار اسے لینے آئے تھے۔ انکے ساتھ ایک عورت بھی تھیں۔ اسناء بنت حنیف۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری کی ملکہ۔

کمبیر خاندان کے ساتھ انکے روابط گہرے تھے۔ ایف آئی آر کے باوجود کسی طرح قیس کو یہاں سے نکالنے والی وہی تھیں۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ اگلی نشست پہ اسناء براجمان تھیں، اور پچھلی نشست پہ بختیار کے ساتھ قیس۔

گاڑی زرا ہی آگے آئی ہو گی جب اسناء نے گلا کھنکھار کر بختیار کو مخاطب کیا۔ "بات شروع کریں؟" اردو صاف تھی مگر پھر بھی عربی عنصر جھلکتا تھا۔

قیس خاموشی سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ اسکے چہرے پہ آنکھ کے نیچے نیل تھے۔ گردن کا بھی یہی حال تھا۔ سینے اور پیٹھ کی جلن الامان۔

"ان کاغذات پہ سائن کرو عبداللہ۔" بختیار نے کچھ کاغذات اسکے گھٹنے پہ رکھ دیئے۔ قیس سیدھا ہوا، کاغذات اٹھا کر دیکھے۔ پھر نا سمجھی سے اپنے چچا کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھے۔ "آپ کو لگتا ہے میں یہ کاغذات سائن کر دوں گا؟" اسے بختیار کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

"میں تمھیں سب سمجھاتا ہوں میں" . .

"بات کاٹنے کے لئے نو سوری۔" اسناء اس ڈرامے سے بے زار ہوئی۔ آنکھوں کے گاگلز انگلی سے نیچے کئے۔ " خالق حسین جان چکا ہے کہ تم، اور تمہارا خاندان اس وقت کمزور ہو اور وہ اب ٹیکسٹائل فیکٹری سے تمھارے خاندان کو مذید کوئی حصہ نہیں دینا چاہتا۔ تمہیں تین دن اس برزخ میں رکھنے والا وہی تھا۔ اور سب سے اہم بات تمہاری کزن میرہ اس وقت اسکے پاس ہے۔ اغوا یو نو۔"

قیس کمبیر کے قدموں سے زمین نکل گئی تھی۔ اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔

"اس بار تمھیں نکالنے کے لئے میں نے ہر داؤ کھیل لیا ہے۔ ٹوبی آنسٹ اگلی بار میں کچھ نہیں کر پاؤں گی۔ ایک ایف آئی آر آپ کو ملزم بناتی ہے، دوسری مجرم۔" بولتے بولتے وہ رکی۔ گردن پھیر کر عبداللہ کو دیکھا۔ "میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کاغذات کو سائن نہ کرو، لیکن میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو کر دیتی۔" اس نے گاگلز واپس چڑھا لئے۔ "it's compliance" جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ وہ میرہ کو کیسے لے کر جا سکتا ہے۔" وہ غرا رہا تھا۔ "ڈرائیور گاڑی موڑو۔ تھانے چلو میں ابھی کے ابھی اس پہ رپورٹ درج کرواؤں گا۔" چھناکے سے ایک فسوں ٹوٹا۔

"پین؟" یک لفظی استفسار پہ بختیار چونکے۔ قیس سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ غراتا، چیختا قیس ایک الوژن سا تھا۔ جو انکے سامنے تھا اسے تھانے کی تین راتوں نے بدل دیا تھا۔ وہ اتنا کب بدلا؟

"تم جانتے ہو ناں اسے سائن کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بعد میں تمھارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گی۔" اسناء کو بے چینی سی ہوئی۔ قیس نے خاموش نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے تھانے سے باہر نکال کر آپ نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ میرے بابا آپ کے لئے ایسے ہزاروں کام کرتے تھے۔ میری ہمدرد بننے کی کوشش مت کریں۔ کیونکہ آپ نہیں ہیں۔" اس نے پین ہاتھ میں لیا۔ دھڑا دھڑ چند سائن کئے اور پیپرز بختیار کی طرف اچھالے۔ "خالق حسین کو فون کریں اور کہیں میرے گھر پہنچنے سے پہلے میری بہن گھر پہ ہونی چاہیے ہے۔" آخری بات اس نے اسناء کو دیکھ کر کہی تھی۔

وہ تلملا اٹھی۔ "میں تمہاری قاصد نہیں ہوں۔ عبداللہ زمان۔"

"میں آپ کو اپنا قاصد رکھوں بھی ناں۔ خالق حسین کی قاصد تو ہیں ناں آپ؟ فون کریں شاباش۔" اسناء نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ فون اٹھایا، اسی پل قیس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

"گاڑی روکو۔" بختیار چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ وہ بدل چکا تھا۔ ڈرائیور نے ایک طرف گاڑی روک دی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا۔ اسناء کی جانب سے دروازہ کھولا۔

"سگنل نہیں آرہے ہوں گے ناں؟ آپ باہر نکل کر کال کریں۔" اسناء نے ایک نظر اسے دیکھا پھر پیچھے مڑ کر بختیار کو، وہ آنکھیں چرا گئے۔

"تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟" ہتک سے اسکے کان سرخ ہوئے۔ وہ چھٹانگ بھر کا لڑکا اسناء بنت حنیف کی بے عزتے کرے گا؟

"باہر آئیں محترمہ۔ دو مردوں کے ہوتے ہوئے فرنٹ سیٹ پہ اچھی نہیں لگ رہیں آپ۔" یہ اسکا اصل تھا، عورتیں اسکے لئے یہی اہمیت رکھتی تھیں۔

اسناء نے بہت کچھ ضبط کیا اور نیچے اتر آئی۔ عبداللہ زمان اپنی جگہ پہ آکر بیٹھا۔ گردن کڑالی، آنکھوں میں رعونت ابھری۔ اور ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کو کہا۔ وہ متذبذب ہوا مگر عبداللہ کی ایک نظر لوگوں کے جمے ہوئے خوف پگھلا دیتی تھی۔

اگلے چند پلوں میں وہ ایک بار پھر گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ پھر کچھ لمحے سلو موشن میں گزرے۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ میرہ سامنے ہی مقصود کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ رونے سے اسکی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ پھر قیس نے اسے اپنے گلے سے لگتے دیکھا۔

وہ روتے ہوئے بہت کچھ بتا رہی تھی وہ سنتا رہا۔ مقصود اس پہ چیخ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ پھر اس نے خود کو شکستہ قدم لیتے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

کمرے کی ایک طرف بنے باتھروم میں آکر اس نے جوتے اتارے، گلے میں پہنی چین، انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ اور شاور کھول دیا۔ باتھ ٹب بھرتا چلا گیا۔ پھر قیس کمبیر نے اپنے پیر اس بھرے ہوئے ٹب میں رکھے۔ "شڑاپ" کی آواز آئی۔ پانی اسکی کمر تک آرہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس نے خود کو پیچھے کی طرف گرا دیا۔ شرٹ پانی سے پھڑ پھڑائی۔ اور پھر شانت ہو گئی۔ گھنگھریالے بال پانی میں تیر رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کئے سانس روکے پانی کے اندر تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

چند سیکنڈز سکون رہا۔ چند سیکنڈز کے بعد وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا تھا۔ چہرے پہ پانی کے ساتھ آنسوؤں کے قطرے بھی گرے۔ دونوں ہاتھ پانی میں مارتے ہوئے وہ پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔ اور وہ رو رہا تھا۔ اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان کے ساتھ دنیا ظالم رہی تھی۔ مسیحائی سے اسکا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ شہزادوں کی دربدری ہر ایک نے دیکھی اور پڑھی ہے۔ شہزادوں کا خالی ہاتھ رہ جانا ذلت تھی۔ اور یہ ذلت اس کے مقدر میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ چلا چلا کر روتے ہوئے وہ اپنے باپ کو پکارتا رہا۔

چند پل بعد وہ باتھ روم کے شیشے کے آگے کھڑا تھا۔ سفید گیلی ملگجی سی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اسکی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ گیلے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔۔ بٹن کھل گئے۔ اس نے شرٹ جسم سے جدا کرنی چاہی مگر پھر آنکھیں میچ لیں۔ سارے زخموں میں ایک درد سا اٹھا تھا۔

کئی لمحے وہ خالی خالی آنکھیں لئے شرٹ سے خالی جسم کو دیکھے گیا۔ نیل۔ سرخ نشان۔ خون کے دھبے۔ گندمی رنگت پہ ہر زخم ابھر ابھر کر نظر آتا تھا۔ کئی لمحے وہ ایک ایک زخم کو دیکھتا رہا پھر اس نے ٹیوب کھولی اور ساری کی ساری ہتھیلی پہ نکال لی۔ آنکھوں سے ہر تاثر جاتا رہا۔

جہاں جہاں تک اسکا ہاتھ جاتا تھا وہ درد برداشت کرتے ہوئے اس ٹیوب کو لگاتا جاتا تھا۔ گیلی شرٹ کو فرش پہ پھینکے وہ الماری کی طرف آیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ بال ایک طرف کئے۔ اور الماری کے نچلے خانے سے ایک شال نکال لی۔ اسے کھول کر کندھوں پہ پھیلاتے ہوئے اسکا آدھا چہرہ بھی اس میں ڈھک گیا۔ اسکے بابا کی خوشبو ہر اور پھیل گئی تھی۔

آنکھیں بند کیئے چند پل وہ اس خوشبو کو محسوس کرتا رہا۔ آنکھوں سے چند موٹے موٹے قطرے ٹوٹ کر گرے، اور شال میں جذب ہوئے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے آنکھیں کھولیں ہر ہر لمحہ آنکھوں کے آگے گھومنے لگا۔ وہ بیڈ کی طرف آیا۔ شال یونہی اوڑھے رکھی۔ چند لمحے یونہی بیٹھا رہا پھر دراز کھول کر ایک دوا کی شیشی نکال لی۔ بغیر پانی کے دوا پھانک کر وہ چت لیٹ گیا۔ آنکھیں چھت پہ مرکوز کر دیں۔ اور اسکی آنکھوں کے آگے تین روزہ ذلت کا ایک ایک منظر گھوم گیا۔

دوا نے تھوڑی دیر میں اثر دکھایا، آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی۔ ذہن تاریک ہوا۔ اور پھر سکوت چھا گیا۔ وہ ہر غم، فکر سے آزاد گہرے سانس لے رہا تھا۔ مگر چند گھنٹے بعد اسے اٹھنا تھا۔ حقیقت سونے سے بدل نہیں جایا کرتی۔

موجودہ دن۔

فروری کے اختتامی روز تھے۔ ساحلی پٹی پہ واقع گوادر میں اب سردیوں کے الوداع کہنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ گوادر کے شفاف سمندر کا رخ کرو تو آج وہاں رش سا تھا۔ یہ پورٹ سے ملحقہ جگہ نہیں تھی۔ وہاں تو رش نہیں بلکہ لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہ کبی سی ساحل تھا۔ وہی جس کے عقب میں پہاڑ تھے۔

رش کی طرف آؤ تو کالج یونیفارم پہنے کئی لڑکیاں مختلف اسپاٹس پہ تصاویر بنا رہی تھیں۔ کہیں کیتلی میں چائے ابل رہی تھی تو کہیں دیگچی میں کھانا بن رہا تھا۔ آج پکنک ڈے تھا۔ رش کے درمیان راستہ بناؤ، بھانت بھانت کی بولیوں کی درمیان اپنے کرداروں کی آواز پہچانو اور سمندر کے عقب میں رکھے ایک بڑے سے پتھر کی طرف آؤ تو کونج حاکم موبائل کان سے لگائے بیٹھی تھی۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسکا چہرہ شرم سے سرخ ہوتا، پھر وہ آس پاس دیکھتی۔ کئی لڑکیاں اسے دیکھ دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ مگر اسے شاید پرواہ نہیں رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

نامحرم کے بیچ شیطان ہوتا ہے۔ اور شیطان سب سے پہلا وار " حیا" پہ کرتا ہے۔ مرد ہو چاہے عورت اگر ان دونوں کو حیا آنے لگے تو گناہ نہ کریں، اگر انکو حیا آنے لگے تو فون پہ فحش گفتگو نہ کریں، اور اگر انکو حیا آنے لگے تو وہ خود سے بات کرنے والوں کو فحش اور شرمناک مواد دیکھنے یا سننے کو نہ کہیں۔ اللہ نے اگر مرد اور عورت کے درمیان ایک پردہ رکھا ہے تو وہ حیا کا ہے۔ جسے اتار دو سب چلا جاتا ہے۔ زندگی سے برکت، دل سے نور، چہرے سے معصومیت، اور زندگی کا سکون۔

پتھر پہ بیٹھی لڑکی کے دل سے حیا ختم ہو چکی تھی۔ اب اسے لوگوں کی زومعنی نظروں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے موبائل کان سے اتارا اور پتھر سے نیچے اتر آئی۔ عشرت منصور زرا سے فاصلے پہ کیتلی میں رکھی چائے ابال رہی

تھی۔ کونج بھی اسکے ساتھ آکر بیٹھی۔ اس نے ایک دو بار عشرت کو مخاطب کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اب کے اسکی بھنویں پر سوچ انداز میں اکھٹی ہوئیں۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" عشرت نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

"میں ناراض اس کونج حاکم سے ہوتی تھی جسے میں جانتی تھی تم کون ہو؟"

کونج نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ "پلیز اب تم اوور ڈراماٹک مت ہونا۔ انسان ساری زندگی ایک ہی فیز میں نہیں رہتا۔ بدلاؤ آتے رہتے ہیں۔"

عشرت نے افسوس سے گردن نفی میں ہلائی۔ "بدلاؤ ٹھیک ہوتے ہیں، سزائیں نہیں۔ تم خود سے ضیغم کے چھوڑے جانے کا انتقام لے رہی ہو ناں؟" کونج جہاں تھی وہیں سن رہ گئی۔ "اس نے تمہیں چھوڑا کیونکہ تم دونوں کے درمیان مسائل تھے، غلط فہمیاں تھیں کبھی جاننے کی کوشش کی تھی کیوں تھے؟" کونج کچھ نہ بولی۔

"حرام چاہے جتنا بھی خوبصورت ہو، خاموش نہیں ہو سکتا۔ حرام میں شور ہوتا ہے بہت زیادہ شور۔ محرومیوں کا شور، انسکیورٹیز کا شور، طعنے، طنز، دنیا کی زو معنی باتوں کا شور۔ دل کے ایک سفید گوشے سے اٹھتی ملامت کا شور۔ یہ شور تمھارے کانوں کو بہرا نہیں کرتا کونج؟ حرام تعلقات میں پڑا ہوا انسان بہرا ہوتا جاتا ہے۔ اس پہ اللہ کی اتری آیات اثر نہیں کرتیں، لوگوں کی نصیحت، دل کی ملامت اثر نہیں کرتی۔ لیکن اللہ بڑا کریم ہے۔ جانتی ہو کیسے؟" کونج نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کچھ لوگوں کے لئے وہ بار بار آیات بھیجتا ہے، لوگ بھیجتا ہے۔ یہ اسکے اشارے ہیں۔ اسکی دعوت ہے۔ راہ راست پہ آنے کی دعوت۔ اور جب اللہ ایسے اشارے بھیجے تو مومن کو چاہیے کہ پلٹ آئے۔ یہ نہ ہو کہ اسکی آنکھوں کے آگے گھٹاٹوپ اندھیرا کر دیا جائے اور کانوں کو سن۔ تم سمجھ رہی ہو ناں؟" آخر میں وہ ذرا نرمی سے بولی۔

وہ خاموش ہو گئی کونج بھی خاموشی سے اسکے پاس ریت پہ بیٹھ گئی۔ کئی لمحے بعد عشرت دوبارہ بول رہی تھی۔

"تم دونوں کا تعلق نہیں چل سکا کیونکہ غلط، غیر معیاری، اور چوری کی چیزیں زیادہ نہیں چلتیں۔ تم دونوں کا تعلق بھی یہی تھا۔ کھوٹا، چور، بے حیا۔"

کونج نے لب بھینچ لئے۔ دل ایک ہزار بار ٹوٹ کر جڑا تھا۔ "میں نے کچھ زیادہ تو نہیں مانگا تھا۔ بس تھوڑی محبت، اپنی پہچان، خود پہ تھوڑی نظریں، اور مقام کیا یہ زیادہ تھا عشی؟"

"کس سے مانگا یہ سب دنیا سے؟" وہ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں آگ میں ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔ چہرہ پر سکون رہا۔ "تم خود سے محبت کرتی ہو؟ نہیں کیونکہ اگر کرتی ہوتی تو تم " ناں " کہنا سیکھتی کیونکہ جنکو خود سے محبت ہو وہ کسی کو خود کو استعمال کرنے نہیں دیتے۔ اپنی پہچان مانگی دنیا سے؟

میں آج تم سے پوچھتی ہوں تم خود بتاؤ کیا ہے تمہاری پہچان۔؟ تم ایک people pleaser ہو۔ تمہاری کوئی پہچان ہے ہی نہیں کیونکہ تم constant ہو ہی نہیں۔ کبھی اپنی بہن کو دیکھ کر خود کو بدلتی ہو، کبھی دوستوں کو، کبھی کسی سیلیبرٹی کو۔ تمہیں خود پہ دوسروں کی نظریں چاہییں جبکہ آئینہ دیکھتے ہوئے تم خود میں نقص نکالتی ہو۔ تمہیں مقام چاہیے اور تم جانتی ہی نہیں کونسا؟ کیسا، کیا؟" وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی۔

"جن چیزوں کی توقع دنیا سے کرتی ہو پہلے وہ خود کرو۔ بدلاؤ سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ ضیغم نے تمہیں چھوڑا اس سے موو آن کرو۔ مذید گند میں گر کر خود کو آلودہ کر کے تم خود کو سزا دے رہی ہو۔" کونج اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مذید اسکی بکواس نہیں سننا چاہتی تھی۔

"خود کو معاف کرو کونج۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔ غلط فیصلے ہو چکے انکو بدلا نہیں جا سکتا۔ صبر کرو۔ کونج . . . . . تم . . . . ضیغم۔" . . . وہ مذید بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر کونج دور جاتی گئی۔

حرام کے عادی لوگوں کے گرد بڑا شور رہتا ہے۔ وہ بھی اس شور کی عادی ہو جائے گی، وہ ہو رہی تھی۔

"وہ شادی شدہ ہے باس، اور آپ منگنی شدہ۔"

ایک چھناکے سے آس پاس چھائی فیری ٹیل کی دیوار ٹوٹ کر گری۔ وہ دروازہ جسے ایک دھاڑ سے مارتی زینیا حاکم باہر گئی تھی، قیس نے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے گردن موڑی۔

"آپ نے مردوں کے جھرمٹ میں نکلنے سے دیر کر دی سر۔" وہ تاسف سے بولی۔ قیس نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شادیاں ٹوٹ بھی سکتی ہیں، منگنیاں ختم بھی ہو سکتی ہیں۔"

حدیبیہ پلک نہ جھپک سکی۔ "یہ زندگی ہے باس۔ . . . . . یہ کوئی" . . .

"بے وقوف عورت۔" قیس نے ہنس کر اسکی بات کاٹی۔ "یہی بات میں تمھیں سمجھا رہا ہوں۔ یہ زندگی ہے کوئی فلم نہیں۔ یہاں کسی منگنی شدہ مرد کو یونہی کسی شادی شدہ عورت سے محبت نہیں ہو جاتی۔ میں بس مذاق کر رہا تھا۔" اس نے دل پہ ہاتھ رکھا، اسکا ہاتھ لرز رہا تھا۔ جیسے دل کو بتا رہا ہو ہاں بلکل ایسا نہیں ہوتا۔ دل نے بھی کچھ کہا جسے قیس نے ان سنا کیا۔

"ویسے یہ کلیئرنس صرف میری طرف سے ہے۔ اس لڑکی کا مجھے نہیں پتہ۔"

حدیبیہ نے برا نہیں منایا۔ نہ اسے یہ مذاق لگا تھا۔ وہ جانچتی نظروں سے قیس کو دیکھے گئی۔ "کیا آپ کو لگتا ہے وہ یعنی زینیا حاکم آپ میں انٹرسٹڈ ہے؟"

قیس نے ٹھوڑی کھجائی۔ ”سب کچھ الگ ہے حبیب میں خود پہلی دفع ایسی صورتحال میں نہیں پھنسا۔ کئی عورتیں آئیں اور گئیں۔ میں نے کسی کی طرف نہیں دیکھا لیکن یہ عورت مختلف ہے۔“ اس نے کرسی گھمائی اب حدیبیہ اس کے سامنے تھی۔ ”پارک میں ہزار لوگوں کے درمیان وہ میری تصاویر اتار رہی تھی۔ اس کے بعد وہ اتنے سارے گھر چھوڑ ڈر گز کا بیگ لئے میرے ہی گھر چلی آئی۔ اس کے بعد پارک میں ہوئی کئی ملاقاتیں، پھر قیسم کی نوکری۔ میرا بلاک، میرا وائرل فوٹو شوٹ۔ اور اس کے بعد یاد ہے وہ اس رات اتنی دیر میرے ساتھ بیٹھی رہی۔ کون کسی ذہنی مریض کے ساتھ بیٹھتا ہے؟ اور اس کے بعد جب میں نے اسے نکالنا چاہا، تم نے نوٹ کیا وہ تب بھی میرے خلاف کچھ نہیں بولی۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی جب میں نے اسے واپس آنے کو کہا تو اس نے میری آفر بھی قبول کر لی۔ حد تو یہ تھی کہ کراچی کے سمندر پہ وہ مجھے ہنسانے کے لئے مجھے لطیفے سنا رہی تھی۔

can you believe it“

اس کے پاس جیسے الفاظ ختم سے ہونے لگے۔ ”اسکا شوہر اس پہ شک کرتا ہے، اور ان دونوں کے یہاں اولاد بھی نہیں۔ شاید اسی وجہ سے وہ کسی اور کی طرف مائل ہو رہی ہے۔“ بلاخر اس نے نتیجہ نکال لیا تھا۔ حدیبیہ کو آج اس شخص سے ایک مختلف سی وائب آئی تھی۔

اسے معلوم تھا قیس کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ وہ الوژن بنا رہا تھا۔ ایک ایسا الوژن جس پہ سب اعتبار کرنے لگیں، وہ وجوہات پیدا کر رہا تھا، ٹھوس دلائل دے رہا تھا۔ ایسے کہ سب کو ماننے پڑیں۔ اور ایسا وہ کب کرتا تھا؟ جب وہ کسی چیز، انسان سے آبسیسڈ ہونے لگے۔

”آپ لوگوں کے اندر وہ نہیں دیکھتے جو ان کے اندر ہوتا ہے۔ آپ وہ دیکھتے ہیں جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ جن لوگوں سے محبت کرتے ہیں ان کے اندر مماثلت ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے یہاں سے واپسی ممکن ہے باس۔ واپس آجائیں۔ آپ اور زینیا حاکم اتنے سیاہ ہیں کہ مل کر کوئی اور رنگ نہیں بنا سکتے۔“

"اوہ کم آن حبیب۔" قیس جھلایا۔ "میں بس چند فیکٹس بیان کر رہا تھا۔ تمھیں کیا لگتا ہے اب میں اپنی منگیتر چھوڑ کر کسی شادی شدہ لڑکی کے پیچھے جاؤں گا؟ مائے فٹ۔" اسکا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا۔

"میں آپ کو جانتی ہوں باس۔ ایک سال دو سال سے نہیں کئی سالوں سے جانتی ہوں آپ" . . . .

"حدیبیہ" قیس نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ "انسان جب شیشے میں خود کو دیکھتا ہے ناں تو اسے ہر دفع ایک انوکھا احساس ہوتا ہے۔ اپنا عکس ہر کسی کو خوبصورت لگتا ہے۔ زینیا حاکم میرا عکس ہے۔ وہ میرے جیسی ہے۔ مجھے اس کے اندر مذید مماثلت دیکھنے کی چاہ ہو سکتی ہے، میں اس سے آبسیسڈ ہو سکتا ہوں، میں اس سے متاثر بھی ہو سکتا ہوں۔ لیکن کوئی بھی انسان اپنے عکس کو اپنے پہلو میں لے کر نہیں چل سکتا۔ ورنہ وہ خود پس منظر میں چلا جائے گا۔ اور میں صرف اکیلا بلندیوں کا سفر کرنا جانتا ہوں سو" اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی، بازو سینے پہ باندھ لئے۔ "میری طرف سے بے فکر رہو۔ کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ . . بھی . . نہیں" . . . اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

"ایک زن بیزار کو ایک عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔" وہ مسکرا کر بولا تو حدیبیہ بھی پھیکا سا مسکرائی۔

"ایک زن بیزار کو ایک عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔" اس نے دہرایا۔

قیس واپس اپنے کام پہ جھک گیا تھا۔ دس منٹ بعد اسے ایک میٹنگ کے لئے نکلنا تھا، ڈیڑھ گھنٹہ بعد ایک آفیشل ڈنر۔ وہ مصروف تھا بھئی۔ مگر لاشعوری طور پہ، اسے یہ دس منٹ ختم ہونے سے پہلے زینیا کے لائے ہوئے پرنٹ آؤٹس کا انتظار تھا۔

جانے کیوں؟

اسلام آباد کی ایک مصروف سی سڑک جہاں قطار در قطار شاپس اور عمارات تھیں، گاڑیوں آمد و رفت جاری تھی۔ دائیں طرف کو بنی عمارات میں ایک ایک میں اپنے قدم رکھو تو ایک انسٹیٹیوٹ کا منظر آنکھوں کے آگے تھا۔ دو منزلہ عمارت جہاں امراء کی اولادیں پڑھنے آیا کرتی تھیں۔ انہی اولادوں کے درمیان ایک غریب کی اولاد بھی تھی۔ زینیا حاکم۔

وہ لگاتار تین لیکچرز لے کر ابھی باہر نکلی تھی۔ اور بغیر ادھر ادھر دیکھے اس نے فوڈ کورٹ کی راہ لی۔ چائے کا آرڈر دے کر وہ میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ اس کے سامنے ہی کوئی کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔ زینیا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا کہ . . .

"اس سے پہلے کہ تمھیں لگے میں یہاں تمھارے لئے آیا ہوں میں بتادوں کہ میں اس جگہ کا مالک ہوں۔ اور انویسٹر بھی۔ ہر دو سے تین ماہ میں چکر لگالیتا ہوں۔"

زینیا نے مشکوک آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "لیکن یہ جگہ تو افروزہ میڈم کی نہیں تھی؟"

"پلاٹ میرا ہے۔ تعمیراتی خرچہ مرے ناتواں کندھوں نے اٹھایا ہے۔ اور غریب سٹوڈنٹس کے لئے انویسٹمنٹ میں ،افروزہ میڈم اور میرے کچھ جاننے والے کرتے ہیں۔ ایسی ایک جگہ ہے، لیکن کچھ سالوں میں ایسی کئی جگہیں ہونگی۔" اسکی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ ساتھ اس نے ویٹر کو بلا کر ایک انوکھا آرڈر نوٹ کروایا

۔ تھوڑی دیر بعد۔ زینیا اپنے لئے لائی گئی چائے پیتے ہوئے باریک بینی سے اپنے بنائے گئے نوٹس دیکھ رہی تھی۔ اسی پل اس نے نظر اٹھا کر مہدی کو دیکھا۔

اس کے سامنے چائے کا مگ رکھا تھا۔ ساتھ ایک پلیٹ میں تین سے چار بھٹے۔ (مکئی) جن کے اوپر وہ لوکل مسالحہ لگا رہا تھا، ساتھ لیموں چھڑک کر اس کے سارے دانے ہاتھ سے پلیٹ میں نکال لئے۔ اب وہ ایک گھونٹ چائے کا لیتا، پھر وہی مکئی کے دانے پھانک لیتا۔ آہ لذیذ۔ زینیا کو خود کو دیکھتا پا کر اس نے ہتھیلی بھر کر مکئی کے دانے اسکی طرف بڑھائے۔ وہ بدک کر دور ہٹی۔

"ارے یہ بہت ٹیسٹی ہوتا ہے ٹرائے تو کرو۔"

"آپ کو ہی مبارک ہو۔ مجھے دور رکھیں۔" اس نے بری شکل بنائی۔ آہستہ آہستہ وہ مہدی کے ساتھ کمفرٹیبل ہونے لگی تھی۔

"اگر تم نے یہ نہیں کھایا تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔" زینیا نے ایک کمینی مسکراہٹ اچھالی۔ "ایسے مت مسکراؤ ورنہ میں اور ناراض ہو جاؤں گا۔" اس نے ہتھیلی اب بھی آگے بڑھا رکھی تھی۔ "اگر دو منٹ تک تم نے یہ نہ لیا تو میں بہت زیادہ ناراض ہو جاؤں گا۔" اب کے وہ سنجیدگی سے بولا۔ "تمھیں اپنے کیمرے کی قسم ہے۔" اب کے زینیا نے ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دی۔ مہدی نے دانے اسکی ہتھیلی پہ پلٹ دیئے۔

"مرد کی ایک سنا کرو، وہ تمہاری دس سنے گا۔"

"ایسے فقرات اچھے، شریف، اور ڈیسنٹ مردوں کے متعلق کہے گئے ہیں۔ آپ کا شمار ان میں نہیں ہوتا۔" زینیا نے مکئی کے دانے پلیٹ میں رکھ لئے کھائے نہیں۔

"اچھا تو کیا میں گلی میں کھڑے ہو کر چرس پیتا ہوں؟ یا پھر کالج کے گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر لڑکیوں کے نمبر مانگتا ہوں۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"دیکھیں میں نے کچھ نہیں کہا، حقیقت خود آپ کے منہ سے باہر آ رہی ہے۔" اس کے دل میں مہدی کو تنگ کر کے جو سکون اترتا تھا، اسکی کوئی مثال نہیں تھی۔

"ایسی باتیں کر کے مجھے غصہ دلا دیتی ہو۔ پھر مجھے کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ مگر نہیں تم پہ غصہ نہیں آتا۔" اس نے چہرہ ہتھیلی پہ گرا دیا۔ "کیوں نہیں آتا؟" سبز آنکھوں میں الجھن لئے اس نے زینیا سے سوال کیا۔ "بلکہ آتا ہے۔" پیچھے کرسی پہ ٹیک لگاتے ہوئے وہ زینیا سے پہلے خود بول پڑا۔ "لیکن میں کنٹرول کر لیتا ہوں۔ مرد کو غصہ کنٹرول کرنا آنا چاہیے۔" اس نے اپنے تئیں ایک پتے کی بات بتائی۔

زینیا بے اختیار چونک سی گئی تھی۔ اسکی آنکھوں کے آگے منظر بدلا۔ وہ کئی سال پیچھے چلی گئی۔ اسکی ماں کے چہرے پہ نیل کے نشان تھے۔ دادی ان کے چہرے پہ مرہم لگا رہی تھیں۔

"تم کیوں مار کھاتی رہتی ہو؟ اپنے باپ سے بات کرو، اپنے بھائیوں سے بات کرو۔ حاکم سے بات کریں گے وہ لوگ۔ ایسا سدھرے گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

"انہیں غصہ بہت آتا ہے ورنہ" . . . .

"مرد کو غصہ قابو کرنا آنا چاہیے۔" دادی نے دھیرے سے کہا۔ پلر کی اوٹ میں کھڑی کمسن زینیا نے ذہن نشین کر لیا۔

"اور پتہ ہے ایک اچھے مرد میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟" حال میں اس کے سامنے مکئی کے دانے منہ میں رکھتا، چائے کے گھونٹ لیتا مہدی کہہ رہا تھا۔

"مرد کو تصیح اور تذلیل کا مطلب پتہ ہونا چاہیے۔"

زینیا ایک بار پھر ماضی میں تھی۔ حویلی کے لان میں کھڑے اس کے ابا اپنی بیوی کو جھڑک رہے تھے۔ دیورانیاں، دیور اور ملازم کان لگائے ہوئے تھے۔ زینیا اپنی ماں کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج حاکم نواب کے کچھ خاص دوست آئے تھے۔ اور امینہ بیگم کا بنایا کھانا شاید انہیں خاص پسند نہ آیا تھا۔ دوستوں کے جانے کے بعد اب وہ اپنی ہونے والی سبکی کا غصہ نکال رہے تھے۔ داخلی دروازے سے باہر کو جاتے حاتم نواب نے رک کر انکو چیختے ہوئے دیکھا پھر اسی طرف چلے آئے۔

"کیا مسئلہ ہے حاکم؟ بیوی کے ساتھ مسئلے بند کمرے میں حل کیے جاتے ہیں۔ بیچ حویلی میں نہیں۔" انہوں نے گھرکا۔

"تمھیں پتہ بھی ہے ادا اس نے کیا کیا ہے۔ میں اس کی تصیح نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔؟" وہ پلٹ کر ناگواری سے بولے۔ حاتم نے شرمسار سی امینہ کو دیکھا۔ پھر ان کے پیچھے کھڑی زینیا حاکم کو۔ وہ مسکرائے۔ زینیا کو حوصلہ سا ہوا۔

ہاتھ بڑھا کر انہوں نے زینیا کو اپنے قریب بلایا۔وہ چلی آئی۔"مرد کو تصیح اور تذلیل میں فرق کرنا آنا چاہیے۔"سنہری آنکھوں والی بچی کے ذہن میں یہ الفاظ چھپ سے گئے۔اسے اماں نہیں بننا تھا۔اسے حل جہاں سے ملتے تھے وہ چن لیا کرتی تھی۔

حال میں اس کے سامنے بیٹھا مہدی اور بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر زینیا نہیں سن رہی تھی۔اسے مہدی سے خوف آتا تھا۔خوف زدہ کر دینے والا خوف نہیں۔متاثر کر دینے والا خوف۔وہ اچھا تھا اتنا کہ اس کے سامنے آپ آپ برا لگا کرتا تھا۔

"آپ ایک اچھے مرد نہیں ہیں۔"اس نے بے رخی سے کہہ کر چائے کا کپ اٹھایا۔وہ نظریں چرا رہی تھی۔

"تم مجھ پہ الزام لگا رہی ہو۔"اسے صدمہ لگا۔

"چند دن پہلے آپ ایک آدمی کا کیریئر،خاندان،ساکھ سب تباہ کر چکے ہیں۔اس کے بعد بھی آپ خود کو اچھا مرد کہتے ہیں؟"

مہدی کی آنکھوں کی جوت ایک لمحے کو بجھ گئی تھی۔"مرد اور انسان میں فرق ہوتا ہے۔جو میں نے اس دن کیا وہ ایک انسان کا عمل تھا۔یوں تو تم بھی ایسی ہو کہ شیطان تمھیں دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائے مگر تم ایک اچھی عورت ہو۔"

"آپ کی نظر میں ایک اچھی عورت کی خوبیاں کیا ہوتی ہیں؟"زینیا نے بلاخر مکئی کے دانے اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ایک اچھی عورت وفادار ہوتی ہے۔تم ہو۔وہ غیر مردوں سے ریزرو رہتی ہے،اسے مردوں کو ناں کہنا اور ان کی حد میں رکھنا آتا ہے۔اس کا لہجہ ہمیشہ ایسا رہتا ہے کہ کوئی بھی مرد اس سے بات کرتے ہوئے کم از کم دس دفع سوچتا ہے۔میں تم سے بات کرنے سے پہلے سوچتا ہوں زینیا۔"یکدم زینیا کے حلق میں ڈھیر ساری مرچیں گھل گئیں۔اس نے چائے کا گھونٹ لیا۔ایک انوکھا سا ذائقہ۔

"جب تم نے مجھے تحفہ لینے سے انکار کیا تب میری دوبارہ ہمت نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ تمھارے سامنے بیٹھتا ہوں، کیونکہ مجھے لگتا ہے اگر کسی دن میں تمھارے ساتھ آکر بیٹھا تو تمھیں اچھا نہیں لگے گا۔ تمہاری باؤنڈریز ہیں زینیا۔ ہر اچھی عورت کی ہونی چاہیے۔"

زینیا محظوظ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ "اور ایک اچھے مرد کی کیا کوالٹیز ہوتی ہیں؟"

"مجھے دیکھو ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک، اگر پھر بھی اچھا مرد نہ نظر آئے تو تم اندھی۔" وہ مصنوعی کالر چڑھا کر بولا تو زینیا مسکرائی۔

"ماشاءاللہ تم مسکراتی بھی ہو؟" وہ ہتھیلی گال تلے ٹکا کر آنکھیں جھپکا کر بولا۔ زینیا پھر سے مسکرائی۔

"واللہ مسکراتے ہوئے اچھی بھی لگتی ہو۔" اب کے زینیا نے سنجیدہ چہرہ بنالیا۔ مہدی کی مسکراہٹ سمٹی۔

"اتنا فری ہونے کی وجہ جان سکتی ہوں؟" وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولی۔ مہدی کمبیر زبردستی مسکرایا۔ اور میز پہ رکھا اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں اڑسا۔

"تم تو سیریئس ہی ہو جاتی ہو۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں مجھے بتائیں یہ کیا تھا۔ ایسے کیسے مذاق؟" وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔ مہدی نے میز پہ رکھی چائے کا کپ جلدی جلدی حلق میں انڈیلا۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ میرے گھر میں مردوں کا زیادہ دیر باہر رہنا برا شگون ہوتا ہے۔" وہ جان بچانے کو جانے کیا بول گیا۔

میز سے اپنا سامان موبائل اٹھاتے ہوئے اگلے چند لمحوں میں وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ زینیا اسکی پھرتیوں کو دیکھ کئی لمحے ہنستی رہی تھی۔

کمبیر محل کے منی سنیما ہاؤس میں آج نیم اندھیرا تھا۔ چونکہ آج یہاں تین لوگوں کی مووی نائٹ تھی، سو ان تینوں کو لمبی نشست پہ نیم دراز دیکھا جا سکتا ہے۔ پردے کی نیلی روشنیاں ان کے چہروں پہ پڑ رہی تھی۔ سبز آنکھیں سنجیدگی سے پردے پہ جمی تھیں، براق کی سیاہ آنکھیں افسردہ (بریک اپ سین جو تھا) قیس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں۔ وہ اونگھ رہا تھا۔ وہ بامشکل آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔

سکرین کے پردے پہ دیکھو تو لڑکی اور لڑکا بارش میں بھیگتے ہوئے ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔ پھر پردے پہ انٹرول کا نشان ابھرا۔ قیس نے کروٹ بدل کر پروجیکٹر بند کر دیا۔ مہدی اور براق فوراً سے پہلے اٹھ بیٹھے تھے۔

"کیا بکواس ہے یار، بند کیوں کر دیا۔ دیکھنے دو آگے۔" وہ دونوں بیک وقت چلائے تھے۔ قیس نے ادھ کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"انٹرول کے بعد پندرہ منٹ کا بریک ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو نہیں پتہ؟"

"لیکن وہ تو پرائی پراپرٹی ہوتی ہے ناں۔ یہ تو ہمارا اپنا سینیما ہے۔" مہدی نے دہائی دی۔

"کیا مطلب ہے اپنا سینیما ہے تو کوئی ایتھکس بھول جائیں؟ یہ فلم نہیں آرٹ ہے اور تمہیں آرٹ کی قدر کرنی چاہیے۔" اسکی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں اور اب ان میں ناگواری تھی۔ براق ہسٹریا کے مریض کی طرح گردن ڈھلکائے ایک طرف کو پڑ گیا تھا۔ بھاڑ میں جائے فلم اسکی اپنی زندگی نیٹ فلکس کی برباد سیریز لگتی تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"عجیب خناس آدمی ہو یار تم۔" براسامنہ بنائے مہدی واپس لیٹ گیا۔ موڈ بری طرح غارت ہوا تھا۔ پندرہ منٹ کا بریک اب کسی طرح تو گزارنا تھا۔ اپنی دائیں طرف لیٹی پاکستانی ممی کو دیکھا۔ وہ آنکھیں موندے سو رہا تھا۔ سبز آنکھیں بے زاری سے دوسری جانب گھومیں۔ ناکام عاشق خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ مہدی کو اپنا حدف مل گیا۔

"یار براق ایک بات بتاؤ۔ تمہاری گیارہ گرلفرینڈز ہیں تم" . . .

"تیرہ ہیں۔ ماشاءاللہ سے کل ہی دو کو پروپوز کیا ہے اور اب وہ دونوں بھی میرے دل میں آچکی ہیں۔" مہدی نے اسے گھور کر دیکھا تو براق نے وضاحت پیش کی۔ "جب میں ڈپریشن میں ہوتا ہوں تو گرل فرینڈز کی تعداد بڑھا لیتا ہوں۔ ویسے تو میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"شریف اور تم؟ خوف خدا رکھو۔ تم صابن کے وقفے میں آنا والا وہ جراثیم ہو جو کبھی نہیں مرتا۔"

"اب بات صابن سے آگے بڑھ گئی ہے۔ آج کل براق ہارپک کے وقفے کا جراثیم ہے۔" قیس کمبیر بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

"میری شیزل کا غم میرے لئے اتنا بڑا ہے کہ میں تم لوگوں کی باتوں کا برا نہیں مانوں گا۔" اداسی ایک بار پھر غالب آئی۔ مہدی اب کے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آلتی پالتی مارے اسکی آنکھیں پر سوچ لگتی تھیں۔

"عورتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے براق؟ یعنی ہمیں کب، کیسے پتہ چلے گا کہ ہم انکی گڈ بکس میں آچکے ہیں۔"

"ساری عورتیں ایک نمبر کی" . . . . . .

" اوہ بھائی تو چپ کر جا۔" قیس کی نیم غنودہ سرگوشی کے جواب میں مہدی ہاتھ جوڑ کر بولا تھا۔ "اللہّ جانے کس عورت نے تمھارے ساتھ کیا کر دیا جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔" بھائی صاحب واقعی چپ ہو گئے۔ ایک بار پھر سو گئے۔ براق عرف ناکام عاشق عرف دی پلے بوائے، عرف ہسٹریا کے مریض نے کہنا شروع کیا۔

ہر عورت مختلف ہوتی ہے اور اسے پٹان . . .

No vulgar language please

سوئی ہوئی ممی نے دوبارہ تنبیہ کی۔ مہدی نے کلس کر اسے دیکھا۔ براق نے ناگواری سے بھنویں سکیڑیں۔ پھر نازک انداز میں ہاتھ جھلایا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ ہر عورت کو "پگھلانے " کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر عورت ہوتی ہی مختلف ہے۔ تمھارے سوال کے جواب کے لئے پہلے یہ جاننا ہو گا کہ تمھارے والی ہے کیسی؟" تمھارے والی پہ مہدی کے رخسار سرخ ہوئے تھے۔ اور قیس کے کان کھڑے۔

"بد تمیز، اکھڑ، غصہ ناک پہ، خوبصورت، کانفیڈینٹ، تھوڑی سی مغرور اور تھوڑی سی ٹراماٹک۔" مہدی نے گنوایا۔

"اگر وہ لڑکی ایسی ہے تو جواب سننے کے لئے میں بھی انٹرسٹڈ ہوں۔" قیس نے آنکھیں کھول لیں، کروٹ بدلے اب وہ بھی براق کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں دلچسپی تھی۔

"ایسی لڑکیاں منہ سے کچھ نہیں کہتیں" . . .

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"پھر کیا ہر کام کے لئے میسج کرتی ہیں؟ یا ای میل؟" مہدی نے ٹوکا۔ براق نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے اپنا ٹوکے جانا برا لگا ہو۔

"ایسی لڑکیاں عمل سے ظاہر کرتی ہیں کہ انکو آپ کا خیال ہے۔ آپ کے لئے مختلف ایفرٹس کرتی ہیں۔ جو آج سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں۔"

(قیس کمبیر پارک سے گھر واپس جا رہا تھا۔ زینیا نے ٹھہر کر اس سے اس کا مسئلہ پوچھا تھا۔ اگلا منظر اس۔ کے آفس کا تھا۔ زینیا فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آرٹ بلاک کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ کسی نے آج تک قیس کا ایسے خیال نہیں رکھا تھا۔)

وہ مسکرایا۔

"ایسی لڑکیاں باہر سے باقی لوگوں کے لئے بہت سخت اور ناقابل تسخیر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر آپ انکی گڈ بکس میں ہیں تو وہ آپ کے سامنے نرم پڑ جاتی ہیں۔ آپ کے سامنے رو سکتی ہیں۔ وہ باتیں بتا سکتی ہیں جو انہوں نے پہلے کسی سے نہیں کہیں۔ وہ آپ سے لڑتی ہیں جھگڑتی ہیں مگر پھر بھی آپ سے دور نہیں جاتیں۔ کسی نہ کسی طرح آپ کے راستے ملتے ہیں کیونکہ وہ یہی چاہتی ہیں۔" مہدی مسکرایا۔ اسکی آنکھوں کے آگے کوئی مناظر تھے۔

(وہ دونوں سرخ بس میں تھے زینیا اسے بالاج کی بے رخی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ سڑک پہ بیٹھی تھی، وہ مہدی کے ساتھ اپنا راستہ تلاش کر رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے باہر سڑک پہ کھڑی اس پہ چیخ رہی تھی۔ پھر رو رہی تھی، مہدی کے سامنے وہ رو پڑتی تھی۔ وہ ساری دنیا کو اپنی جوتی کی نوک پہ رکھتی تھی، مگر جب مہدی نے اس روز اسکی کی طرف ہیئر بینڈ بڑھایا، وہ بلا تردد اسے تھام چکی تھی۔)

ایسی لڑکیاں اندر سے بلکل موم جیسی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ موم ہر ایک کے لئے نہیں پگھلتا۔ کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں جن پہ وہ مہربان ہوتی ہیں۔ انکی مدد کرتی ہیں، انہیں کبھی گرنے نہیں دیتیں۔ انکی پیشکش قبول کر لیتی ہیں۔ کچھ ہی لوگوں کے لئے وہ آؤٹ آف دی وے جاتی ہیں۔ انکا اپنا ٹراما ایک طرف اپنے پسندیدہ انسان کے لئے وہ مضبوط ستون کی طرح ہوتی ہیں۔ زبان سے نہیں کہتیں مگر انکا ہر عمل یہی گواہی دیتا ہے کہ . . .

She will never let you down

(اپنے آفس کے صوفے پہ بیٹھے قیس کمبیر کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ گلا خشک تھا۔ اور پھر کوئی اسے پانی پلا رہا تھا۔ قیس اس لڑکی کو جھڑک رہا تھا مگر وہ نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ وہ اسے سن رہی تھی کسی نے آج تک قیس کو نہیں سنا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رحم دل تھی، کوئی آج تک قیس کے ساتھ رحمدل نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے آفس سے نکال رہا تھا مگر وہ قیس کو گرا نہیں رہی تھی۔ اسکی عزت اسکی کریڈبلیٹی پہ بات آئی وہ خود جھک گئی مگر قیس کو نہ جھکایا۔ وہ خوش بختی کا سیمبل تھی۔ کم از کم قیس کے لئے تو تھی۔ وہ آس پاس رہتی تھی تو قیس کے مسائل کم ہونے

لگتے تھے۔وہ کچھ نہ بھی کرتی تھی، مگر اسکا ہونا ہی کافی ہوتا تھا۔ قیس کو کیفے میں بنائے اپنے اسکیچز یاد آئے۔ سمندر کے بڑے بڑے پتھروں پہ بیٹھی وہ اسکا مسئلہ سن رہی تھی حلانکہ اسکا اپنا باپ ہسپتال میں تھا۔)

She will never let me down.

قیس کمبیر زیر لب بڑبڑایا۔

"یوں تو ایسی لڑکیاں کسی اور کی ماننے کو اپنی بے عزتی سمجھتی ہیں۔ مگر وہ جن کے لئے دل میں سوفٹ کارنر رکھتی ہیں، وہ بتاتی نہیں مگر آپ کی بات مان لیتی ہیں۔ وہ اظہار پسند نہیں کرتیں مگر انکو آپ کی فکر رہتی ہے۔ وہ آپ کو اونچا دیکھنا چاہتی ہیں مگر اپنے ساتھ۔ انہیں اپنی پسند سے عشق ہوتا ہے مگر آپ کی کہی باتیں انہیں کمفرٹ دیتی ہیں سو وہ بلا ارادہ انہیں مان لیتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں نوے فیصد خود پہ اور دس فیصد آپ پہ انحصار کرتی ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ دس فیصد بھی بہت ہے۔

Just make sure you never let her down.

وہ اسے قیس کے آفس میں رکنے کا کہہ رہا تھا اور وہ رک گئی۔ وہ نکاح کے وقت آیا اور زینیا اس پہ بھروسہ کرتے ہوئے کاغذ سائن کر گئی تھی۔ وہ ایک برے فیز سے گزر رہا تھا، وہ اپنی sanity کھو چکا تھا اور زینیا اسے بتا رہی تھی کہ مہدی کمبیر غلط نہیں۔ وہ اسے بتاتا تھا زینیا کہاں غلط ہے اور پھر تھوڑی بہت ایفرٹس کے بعد وہ اسکی مان لیتی تھی۔ چھجے تلے بیٹھے وہ اسے اپنے باپ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ مہدی پہ انحصار کرنے لگی تھی۔ کینٹین میں بیٹھ کر وہ اس کے دیئے مکئی کے دانے کھا رہی تھی۔ بلا ارادہ بلا وجہ۔ بالاج سے انتقام لیتے وقت اس نے اپنے بعد مہدی پہ اعتبار کیا تھا ۔کیونکہ شاید وہ جانتی تھی۔

He will never let her down

براق خاموش ہو گیا۔ وہ تینوں دھیرے سے واپس اپنی اپنی نشستوں پہ لیٹ گئے۔ مہدی کا تجسس ایک بار پھر جاگ چکا تھا۔

I'll never let her down.

وہ بڑبڑایا۔ قیس کی آنکھیں پردے پہ تھیں مگر دماغ غائب۔ وہ محل کے مضبوط ستون کا مضبوط سہارا تھی۔

She will never let me down.

اس نے زیر لب کہا۔

یہ کہانی کیسے کیسے کھیل کھیلنے لگی تھی؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج وہ دستک کے بغیر اندر داخل ہوئی تھی۔ اسکا باس پانچ منٹ پہلے ایک آفیشل لنچ سے واپس آیا تھا۔ اور اس سے پہلے وہ فیصل آباد کی فیکٹریز دیکھنے گیا تھا۔ پانچ منٹ کا سکون اور ایک گرم کافی اسکا حق تھا، مگر زینیا حاکم کو دوسروں کی حق تلفی کرنی خوب آتی تھی۔

"آپ کی تصاویر کے دسویں پرنٹ آؤٹس۔ اور دسویں بار انہیں ایڈٹ کیا جا چکا ہے۔ کیا اب یہ قبول ہیں؟" خاکی لفافہ میز پہ رکھتے ہوئے وہ تند ہی سے بولی۔ قیس جو حدیبیہ سے کچھ کہہ رہا تھا، رک کر اسے دیکھا۔

"اپنے باس کے آفس میں آنے کی تمیز اور بات کرنے کی ٹون سیکھ لیں زینیا حاکم۔ ورنہ کافی برا ہو سکتا ہے۔" زینیا نے کچھ سخت کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر دیا۔ قیس ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ اسے اپنے رویے کو فکس کرنے کی ضرورت تھی۔ حدیبیہ بات پوری کر کے جانے لگی تو قیس نے اسے پکارا۔

"یہ کافی میکر ری پلیس کرواؤ کام نہیں کر رہا۔جی مس زینیا کیا کہہ رہی تھیں آپ؟"پہلی بات حدیبیہ سے کہہ کر دوسری بات زینیا حاکم سے کہی۔زینیا نے لفافہ اس کے آگے کیا، مگر اسکی نظریں کافی میکر کو تک رہی تھیں۔

"اوکے یہ فلٹرز ٹھیک ہیں اور یہ پرنٹس بھی۔"وہ لفافے سے نکلی تصاویر الگ الگ کرتے کہہ رہا تھا۔"اسنیک پیک کا کام کہاں تک پہنچا؟ "زینیا اسے نہیں دیکھ رہی تھی، اسکا سارا دھیان کافی میکر پہ تھا۔

"کیا میں اسکو کھول سکتی ہوں؟ مجھے اسکو فکس کرنا آتا ہے سر۔"اس نے ہاتھ سے کافی میکر کی جانب اشارہ کیا۔ قیس نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر کافی میکر کو۔

"جو کام تمہیں دیا ہوا ہے، وہ تو تم سے ہو نہیں رہا۔اور یہاں تم مشینیں کھولو گی؟"

"میں نے حمد سے آئیڈیاڈسکس کر لیا ہے اور ضوفشاں کو دو ویڈیوز بھی شوٹ کر کے بھیج دی ہیں۔میں اسنیک پیک پہ کام کر رہی ہوں سر۔پلیز مجھے اس مشین کو کھولنے دیں۔"ہمیشہ کی طرح ایکسائٹمنٹ سے اسکی آواز بدل رہی تھی۔

"ٹھیک ہے جاؤ کھولو۔"وہ بے زاری سے بولا۔"مگر یہ نہ جڑ سکی تو تم مجھے جانتی ہو۔"زینیا اسکی سنی ان سنی کرتی باہر چلی گئی۔اور چند پل بعد وہ واپس آئی تو اس کے پاس مختلف اوزاروں کا ایک ڈبہ تھا۔کافی میکر نیچے رکھے وہ آلتی پالتی مارے سامنے بیٹھی اسے کھول رہی تھی۔قیس تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔کیا وہ کوئی مستری تھی؟

تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل گیا۔آفس کا ایک طائرانہ جائزہ لیا۔ایک طرف کو ہوتے کنسٹرکشن کے کام پہ اپنی رائے پیش کی۔اور واپس اپنے آفس آ گیا۔زینیا اسی طرح اپنے کام میں مگن تھی۔وہ قیس کی پرسنل ایڈوائزر تھی، مگر آج پرسنل مستری بھی لگ رہی تھی۔

لیپ ٹاپ پہ ای میلز اوپر نیچے کرتے ہوئے اس نے ذرا کی ذرا نظر زینیا پہ ڈالی۔وہ مگن تھی۔دنیا جہاں سے بے خبر۔قیس کو بے اختیار وہ رات یاد آئی۔شرمساری سی ہونے لگی۔اگر وہ خود پہ تھوڑا سا کنٹرول کر لیتا تو آج زینیا کو اس

کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوتا۔ تھوڑی ہمت قیس بس تھوڑی ہمت۔ وہ چند پل زینیا کو دیکھتا رہا پھر گلا کھنکھار کر اسے مخاطب کر لیا۔

"سنو" . . . گلے میں گلٹی سی ابھری۔ "وہ اس رات جب مجھے . . . . جب میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، تب میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" زینیا نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "یعنی . . کیا میں . . نے میں نے کیا کہا تھا بتاؤ۔" وہ جھنجھلایا۔ زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔ اسے پسند تھا سیدھی بات کو الٹا گھمانا۔

"میں کیسے بتاؤں۔ اپنے باس کو ایسی باتیں بتانا اخلاقیات کے زمرے میں نہیں آتا ناں۔"

قیس کے دل کو دھچکا لگا۔ ایسا کیا بتا دیا اس نے۔ ہاں اسے یاد تھا اس نے کیا کہا ہے۔ مگر واضح نہیں۔ اس کے چہرے پہ ننھی ننھی پسینے کی بوندیں در آئیں۔

"کیا . . . کیا کہا تھا میں نے؟" کوشش کے باوجود وہ نارمل نہ رہ پایا۔

"میں نہیں بتا سکتی میں" . . .

"سیدھی طرح بتاؤ گی یا نہیں؟" اسے غصہ آیا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"دیکھیں دیکھیں آپ ابھی سے غصہ ہو رہے ہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر شکایت کی۔

قیس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ "اچھا میں کچھ نہیں کہوں گا۔ بتاؤ اس رات میں نے کیا کہا تھا؟"

زینیا کا دل کیا تھا قہقہے مار کے ہنسے۔ مگر ضبط کئے بیٹھی رہی۔ "اصل میں آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی ایک منگیتر ہے۔ جو کہیں دوسرے شہر میں رہتی ہے۔" لمحے کے ہزارویں حصے میں قیس کی رنگت سفید پڑی۔ دل یکدم شل سا ہوا۔ "آپ نے بتایا کہ آپ اس سے بہت محبت کرتے ہیں، مگر کبھی اس کے پاس جانا نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ بہت خوبصورت ہے اور" . . . . زینیا مزید بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر قیس کچھ بھی سن نہ سکا۔ ٹھنڈے آفس میں یکدم اسے گرمی لگنے لگی تھی۔

"اچھابس . . بس کر دو۔" ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔ نہ جانے کیوں مگر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ پانی کے گلاس سے ڈھکن ہٹایا اور سارا پانی غٹا غٹ پی گیا۔ زینیا اس سے بے نیاز ایک بار پھر اپنی مشین کو جوڑنے میں مگن ہو چکی تھی۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے قیس بھی کسی ای میل کا جواب لکھنے لگا مگر نہیں اب کس کمبخت سے کام ہونا تھا۔

"بھیج دیں اسے باہر نہیں جڑتی۔" کافی دیر بعد زینیا ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھی تھی۔ اس کے چہرے پہ زاری تھی۔ اور کافی میکر کے پرزے بکھرے پڑے تھے۔ قیس نے ایک نظر زینیا کو دیکھا، پھر بکھرے ہوئے پرزوں کو۔ بازو سینے پہ باندھے۔ دل میں گویا طیش کا طوفان چل رہا ہو۔ آخر کیوں اس رات زینیا اس کے پاس بیٹھی کیوں؟

"اس مشین کو بلکل ویسے جوڑو، جیسے یہ پہلے تھی۔"

"زینیا کی کھولی ہوئی مشینوں کو زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔" اس نے گویا قیس کے علم میں اضافہ کیا۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے بس یہ جڑی ہوئی چاہیے۔۔ آج نہیں جڑتی کل دوبارہ آکر جوڑو، جب تک یہ نہیں جڑ جاتی تم یہیں رہو گی۔ اور مجھے بار بار بولنا نہ پڑے۔"

"قیس . . . کیا ہو گیا ہے میں اسے نہیں جوڑ سکتی۔" زینیا تحمل سے بولی۔ اب کے قیس کچھ نہ بولا بس ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسکی آنکھیں بہت کچھ کہتی تھیں۔ زینیا نے ڈھیر سارا کلسنا اندر دبایا۔ اور پیر پٹختے ہوئے دوبارہ نیچے آکر بیٹھی۔ قیس کسی میٹنگ کے لئے باہر نکل گیا تھا، مگر باہر سے حدیبیہ کو اندر بھیج دیا تھا۔ اب وہ زینیا کی پہرہ دار تھی۔ اسے رونا آنے لگا تھا، ساتھ ساتھ غصہ بھی۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ ایک فلیش بیک سا بھی۔

گلاس وال والا آفس غائب ہوا، اے سی کی ٹھنڈک دور جا سوئی اور یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا سارے میں چھا گیا۔ کونے والی میز پہ بیٹھی زینیا حاکم اور اس کے سامنے بیٹھا مہدی کمبیر۔ جو اپنی ادھ کھائے سیب والی کمپنی کی گھڑی اسے تھما رہا تھا۔ شاید اس میں کوئی خرابی تھی۔ تھوڑی ہی دیر قبل انکا ایک جھگڑا بھی ہوا تھا مگر گھڑی دیکھ سنہری آنکھیں چمک اٹھیں۔ بیگ سے چھوٹے چھوٹے اوزار نکالے اور تھوڑی دیر بعد وہ گھڑی کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

آنکھوں میں ڈھیر سارا اشتیاق تھا۔ اس نے ایک ایک پرزے کو ٹٹول کر دیکھا۔ اور جب گھڑی جوڑنے کی باری آئی تو اسکی لاکھ کوششوں کے باوجود وہ اس گھڑی کو جوڑ نہ پائی۔ کافی دیر کی مغزماری کے بعد اس نے تھک کر گھڑی میز پہ واپس رکھ دی۔

"نہیں جڑتی یہ۔ خود کر لیں۔" اسے بے زاری سی ہوئی۔ مہدی کے سامنے وہ بہت کچھ دیتی تھی۔ "نہیں ہو رہا، نہیں کرنا، موڈ نہیں۔" کسی اور کے سامنے زینیا اتنا سب نہیں کہتی تھی۔

وہ گھڑی کے پرزے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں تاسف تھا۔ "گھڑیاں صرف مشین نہیں، میری اولاد ہیں۔ یہ تم نے کیا کیا اس کے ساتھ؟" اسکا بس نہیں چلتا تھا کہ رو دے۔ "معاف نہیں کروں گا تمہیں۔" صدمے سے کہتا وہ اٹھا اور گھڑی کے اعضاء سمیٹے باہر نکل گیا۔ زینیا چپ چاپ اسکی پشت کو دیکھتی رہی۔

کوئی غصہ نہیں، کوئی حقارت بھرا جملہ نہیں۔ اسے مہدی سے خوف آیا تھا۔

منظر بلبلے کی طرح ہوا میں تحلیل ہوا۔ اور اب کے زینیا ٹھنڈے ماربل کے فرش پہ بیٹھی تھی۔ ساکت سی۔ وہ ان دونوں کا موازنہ کیوں کر رہی تھی؟ سر جھٹکتے ہوئے اس نے دوبارہ کافی میکر جوڑنے کی کوشش کی۔ ہاں البتہ اب نہ ویسی جان تھی، نہ ہمت۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھوڑی دیر بعد وہ مشین جوڑ چکی تھی۔ پاور چیئر پہ بیٹھے قیس نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ زینیا کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ قیس مقابلے کرتا تھا۔ اور زینیا حاکم کو ایسے مردوں سے نفرت تھی۔

"دوسروں کی باتیں سننے کی بجائے اگر اسی طرح اپنے کام پہ دھیان دینے لگو تو چیزیں خراب نہیں ہوں گی۔" زینیا خاموش رہی۔ بیگ میں سامان ڈالتے ہوئے بلکل خاموش۔ "مجھے اسنیک پیک کا پہلا ورژن دو دن کے اندر چاہیے۔ اور تمہارا شوٹ کیا ہوا۔"

"شیور سر۔"

"کسی قسم کی بہانے بازی نہیں چلے گی۔" اس نے ایک بار پھر زہر اگلا۔

"شیور سر۔" وہی سپاٹ انداز۔

اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی ابھی وہ قدم باہر رکھتی کہ کافی میکر اپنی ہی جگہ رکھے رکھے پرزہ پرزہ ہو گئی۔ قس نے تحیر سے اس مشین کو کھلتے دیکھا، پھر دروازے پہ کھڑی زینیا کو۔

"زینیا کی کھولی ہوئی مشینیں زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔ "جتا کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔ پیچھے قیس کے لئے اعترافی لمحہ تھا۔

براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں دوستوں کی محفل پھر سے جمی تھی۔ سوئمنگ پول کے گرد رکھی کرسیوں پہ ڈیرہ ڈالے دو دوست بیٹھے تھے۔ تیسرا ابھی تھا مگر نہ ہونے کے برابر۔

"میں نے اس کے لئے سب کیا مہدی۔ لیکن وہ پتہ نہیں کیوں مجھ سے اتنی ناراض رہتی ہے۔ اب دیکھو چرچ کی اس ملاقات کو کتنے دن ہو گئے۔ دوبارہ رابطہ بھی نہیں کیا۔" پول کے کنارے سطح پہ بیٹھا وہ اپنا رونا رو رہا تھا۔ مہدی ہمیشہ کی طرح سن ہی رہا تھا۔

"اس نے تو تم سے کہا تھا ناں کہ دوست بن جاتے ہیں۔ تمہیں زیادہ پھرتیاں لگی تھیں۔ اب بھگتو۔" لمبی کرسی پہ لیٹے موبائل پہ انگلیاں چلاتے سرکار بولے تھے۔ براق کو غم لگا۔

"یہ اسی سانپ کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ یہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میرا گھر بسے۔" اس نے قیس کی شکایت کی۔

"بھائی گھر بچوں کی قلقاریوں سے بستا ہے۔ ہر کونے سے ابھرتی گرل فرینڈز کی فرمائشوں سے نہیں۔" سانپ نے ایک بار پھر زہر اگلا۔

وہ اکیلی ان گیارہ پہ بھاری ہے۔" براق نے ہائے بھری۔

"وزن میں؟" سانپ نے معصومانہ سوال کیا۔ براق بپھر گیا۔ مہدی کے لئے اسکو سنبھالنا مشکل ہوا۔

"اسے سمجھالو مہدی ورنہ آج یہاں سے اسکی لاش جائے گی۔"

"ہاں ہاں، وہ ڈی ایچ اے والا قبرستان تو تم نے بھرا ہے ناں۔"

براق اب کچھ جواب دیتا کہ مہدی نے ہاتھ اٹھالئے۔ "بس اب کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ ہم تینوں ہر دفع لڑکیوں کو کیوں ڈسکس کرتے ہیں۔ کیا بات کرنے کو کچھ اور نہیں؟"

براق سوچ میں پڑا، قیس بس پڑا ہی رہا۔ "آج سے ہم ایک عہد کرتے ہیں۔" وہ سینہ تان کر بولا۔ "ہم تینوں اپنی گرل فرینڈز، فیمیل فرینڈز، اور آفس میں کام کرنے والی عورتوں کو بلکل بھی گھاس نہیں ڈالیں گے۔"

"بلکل صحیح کہا۔" سبز آنکھوں والے نے داد دی۔ اس کے ساتھ ہی اسکے موبائل پہ ایک میسج ٹیون بجی زینیا حاکم کا ٹیکسٹ تھا۔ وہ اس سے فوٹو گرافر کا پوچھ رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے مہدی اسے جواب لکھ رہا تھا۔ گرل فرینڈ، ورکر، فیمیل دوست کو جواب نہیں دینا یہ تو بیوی تھی ناں؟

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہم سب سے اوپر خود کو رکھیں گے۔ کسی بھی لڑکی کو رپلائے کرنے کے لئے کم سے کم تین گھنٹے لگائیں گے۔"

"صحیح کہا آئی ایگری۔" سانپ بھی بولا تھا۔ پھر موبائل کا ڈیٹا آن کیا تو زینیا حاکم کی طرف سے ای میل ملی۔ براق کی تقریر کو چھوڑ، اسکیچ بک ایک طرف رکھ کر اس نے جواب دینا شروع کیا۔ سترہ نکات تھے۔ وہ ایک ایک کا جواب دے گا۔ انشااللہ۔

ملنے، کال کرنے اور میسج کرنے کا وقت ہم متعین کریں گے کسی لڑکی کی اتنی جرات کہ" . . . .

"براق مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" تمام مردوں کا عالمی رہنما کرنٹ کھا کر مڑا تھا۔ پول کے عقب میں سلائیڈنگ ڈور کے ساتھ لگ کر کھڑی شیزل سیمسن نے اسے پکارا تھا۔ براق فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ قیس ان نکات کے جواب لکھ رہا تھا اور مہدی مسکراتے ہوئے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ رہنما کے منہ پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"شیزل؟ تم یہاں۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آنے میں۔ مجھے کال کر لیتیں میں خود آ جاتا۔" وہ تیز تیز قدم لیتا اسکی جانب بڑھا۔ "کوئی ضروری کام تھا کیا؟ گارڈ نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟"

"ڈرامہ بند کرو۔ نیک بننے کی کوشش مت کرو۔" وہ بے زاری سے بولی۔ پھر براق کے کندھے کے پار ان دونوں کزنز کو دیکھا۔ "یہ نمونے کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ؟" براق مسکرایا۔ کندھے فخر سے چوڑے ہوئے۔ "دراصل میں کچھ دیر قبل قوم کے مردوں سے خطاب کر رہا تھا۔ اور یہ دونوں" ہاتھ لمبا کر کے دونوں کی جانب اشارہ کیا۔ "مرے الفاظ کو امر کرنے کے لئے انہیں نوٹ کر رہے تھے۔" گردن موڑ کر محبت سے انہیں دیکھا۔ "میری قوم کے عظیم مرد۔" بس نہ چلتا تھا کہ انکی بلائیں لے لے۔

شیزل نے نزاکت سے کندھے اچکائے۔ براق بھی اب انہیں چھوڑ شیزل کو دیکھنے لگا۔ سیاہ رنگ کے سادہ شلوار قمیض کے اوپر ڈھیلا ڈھالا سفید سوئیٹر پہنے، پیروں میں اسنیکرز اور بالوں کو کیچر میں باندھے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کب نہیں لگتی؟" اس نے آنکھیں گھمائیں۔ "ہمیں بات کرنی ہے کہیں باہر چلیں؟"

"تم اس طرح ہمارے لڑکے کو ورغلا کر باہر نہیں لے جا سکتیں۔ جو بات کرنی ہے یہیں کرو۔" موبائل سے آنکھیں نکال کر مہدی با آواز بلند بولا۔ براق نے دانت کچکچائے۔

"یہ آدمی اب مردوں کا عالمی لیڈر ہے۔ اور ہم اسے ایک عورت کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو بات کرنی ہے یہاں ہم سب کے سامنے کرو۔" پندرہویں نکات کا جواب دیتا قیس بھی بولا تھا۔ شیزل نے براق کو دیکھا۔ براق نے بے

چار گی سے کندھے اچکائے اور پھر وہ" اوکے فائن" کہتی آگے بڑھ آئی۔اب تھوڑی دیر بعد پول کے اطراف میں مہدی، شیزل اور براق بیٹھے تھے۔ قیس لمبی کرسی پہ کہنی کے بل لیٹا تھا، جب شیزل نے بات کا آغاز کیا۔

"تم نے مجھے ارسلان کے بارے میں سب کچھ بتایا کیوں نہیں؟ اتنے سارے سال بدگمانی میں گزر جانے کا فائدہ؟ ہم بات کر سکتے تھے براق۔ ہمیں بات کرنی چاہیے تھی۔"

"کیا بات کرتا یہ اسے پتہ تھا اسکی شکل ایسی ہے ہی نہیں کہ تم ارسلان کو چھوڑ کر اسکے پاس آؤ۔" قیس براق سے پہلے بول پڑا۔ شیزل نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ براق البتہ سنجیدہ تھا۔

"مجھے لگا تھا تم اسے پسند کرتی ہو۔ اس نے بھی کہا تھا وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔"

"اگر اس طرح کوئی بھی لوفر اٹھ کر کہہ دے کہ وہ تمہاری عورت کو پسند کرتا ہے تو کیا تم پیچھے ہٹ جاؤ گے؟" مہدی کو اعتراض ہوا۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔ براق اسے نہیں سن رہا تھا۔ اسکی نگاہوں کا مرکز شیزل تھی۔

"مجھے کبھی سنا نہیں گیا تھا ملکہ۔ ابا، ممی سب نے مجھے "سنایا" میرا اسکول، میری پسند ناپسند، دوست، کالج، سبجیکٹس انہوں نے طے کیا۔ جب جب میں کوئی فرمائش ظاہر کرتا تھا مجھے بس" سنایا" جاتا تھا۔ میں سننے کا اتنا عادی ہو گیا کہ اپنی کہتے ہوئے ڈر لگنے لگا تھا۔ میں ڈمب تھا میں"۔

"اب تم کونسا ارسطو کے جانشین بن گئے ہو؟" قیس نے مدعا اٹھایا۔ جسے نظر انداز کیا گیا۔ براق شیزل کو دیکھ رہا تھا، اور شیزل اسے۔ آس پاس کی دنیا بے معنی تھی۔

"میں نے کبھی ایک فیری ٹیل جیسی زندگی نہیں دیکھی۔ لیکن میں چاہتا تھا تم دیکھو۔ بس یہی ہے میری طرف کی کہانی۔" اس نے کندھے اچکائے۔ شیزل نے گہری سانس لی۔

BEING THE STRING OF YOUR LIFE

"میں اسلام قبول کر رہی ہوں۔ تمھارے لئے نہیں اپنے لئے۔" براق کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ "میں straight ہوں براق۔ باتیں دل میں رکھنا، کینہ بغض پالتے رہنا یہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ میں بات کر کے، بات جاری رکھتی ہوں یا ختم کرتی ہوں۔ اس لیے تم آئندہ مجھ سے باتیں نہیں چھپاؤ گے۔"

"لکھوا کر رکھ لو یہ چھپائے گا۔ تمہارے لئے تو بہت سارے لڑکے ہیں یار اسکے ساتھ وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟ میرا ایک دوست ہے تم ایک بار اس سے مل لو۔" مہدی آگے کو ہو کر بڑی ہمدردی سے کہنے لگا۔ شیزل مسکرائی، وہی اسکی خبطی مسکراہٹ۔ پھر تھوڑا سا آگے ہو کر مہدی کے کان کے پاس جھکی۔

"کیا میں ان دونوں کو بتاؤں کہ دی شریف النفس مہدی کمبیر زینیا حاکم سے نکاح کر چکا ہے۔" بس اتنا کہہ کر وہ پیچھے ہوئی۔ مہدی کی رنگت فق ہوئی۔ وہ بدقت مسکراتے ہوئے اٹھا۔

"اللہ جوڑی سلامت رکھے۔" کہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم لیتا سلائیڈنگ ڈور پار کرتا نکل گیا۔ شیزل نے براق کو دیکھا۔ اور بات جاری رکھی۔

"تمہیں اپنے یہ سارے چکر ختم کرنے ہوں گے۔ میں تمھارے آس پاس کوئی عورت نہ دیکھوں اور سب سے بڑھ کر تمھیں مجھ سے مقابلہ کرنا چھوڑنا ہو گا۔ میں تمہیں چند ماہ کے لئے جاننا چاہتی ہوں اور اس کے بعد ہم شادی" . . .

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"وقت برباد کر رہی ہو اپنا۔ کتے کی پونچھ کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ کوئی اچھا لڑکا دیکھو اور شادی کرو۔ you deserve better"

براق کچھ کہتا کہ شیزل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروایا۔ پھر قیس کی طرف مڑی۔ وہ ذرا سے فاصلے پہ تھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ i deserve better پھر کیا خیال ہے تم شادی کرو گے مجھ سے؟" قیس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ "تم اور میں تو بلکل ایک جیسے ہیں۔ قد، آنکھیں، رنگ، عادتیں آہ ہم پرفیکٹ کپل بنیں گے۔ ہمارے بچے کتنے خوبصورت ہوں گے۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"خدا کا خوف کرو تم تو میری بہنوں جیسی ہو۔" وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم اور براق پرفیکٹ ہو شادی کر لو۔" بغیر ان دونوں کو دیکھے وہ تیز تیز قدم لیتے وہاں سے غائب ہوا۔ شیزل نے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

"خس کم جہاں پاک۔" وہ براق کی طرف مڑی جو کہ خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شیزل کو کوفت ہوئی۔ "کیا؟ اب تمہیں کیا ہوا؟"

"میرے سامنے کسی سے اتنا فری مت ہوا کرو۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔"

"اوَ چل وے، ایڈا تو سالار سکندر۔ (ارے جاؤ اتنے تم سالار سکندر۔"۔ براق ہنوز اسے خفا خفا نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شیزل نے گہری سانس لی۔ ہتھیار پھینک دیئے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اب نہیں ہوتی فری بس؟" وہ نرمی سے بولی تو براق کے تاثرات ڈھیلے ہوئے۔

"آؤ کہیں کھانا کھانے چلتے ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ شیزل بھی ساتھ کھڑی ہوئی۔ اگلے چند پل بعد وہ شیزل کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ گاڑی چلا رہی تھی اور وہ بول رہا تھا اور شیزل سن رہی تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹے چھوٹے جواب بھی دیتی تھی۔ کیا براق کو کوئی سننے والا مل گیا تھا؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج بڑے دنوں بعد ایک بار پھر بارش ہوئی تھی۔ ساری رات برسنے والی مینہ صبح تک جاری رہی اور پھر وقفے وقفے سے ہوتی بوندا باندی نے موسم اچھا خاصا سرد کر دیا تھا۔

سیاہ رنگ کے اوور کوٹ میں ملبوس، سیاہ ہی ٹراؤزر پہنے اور سر پہ سرخ رنگ کا اسکارف اوڑھے زینیا حاکم قیسم کے سٹوڈیو میں بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ پہ اسکی انگلیاں کھٹ کھٹ چل رہی تھیں۔ دفعتاً گلاس وال سے اسکی نظر باہر

پڑی۔ مہدی تیز تیز قدم لیتا قیس کے آفس کی جانب جا رہا تھا۔ زینیا اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر آ گئی۔ راہداریوں میں آگے کو جاتے مہدی کو آواز دے کر روکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ساتھ مسکرایا۔ اور اسکی طرف چلا آیا۔

"مجھے آپ سے ایک کام تھا۔" مہدی اس کے قریب آ کر رکا تو وہ کہنے لگی۔ "آپ کے اسپین ٹور کی تصاویر جس فوٹو گرافر نے لی تھیں کیا آپ میری اس سے بات کروا سکتے ہیں؟ مجھے اس سے کچھ چیزیں پوچھنی ہیں۔"

"شیور۔ ویسے تو وہ کافی مغرور آدمی ہے، لیکن میں اسے تمہارا نمبر دے دوں گا۔ خود ہی تم سے بات کر لے گا اوکے؟"

"اوکے شیور۔" اس نے سر ہلایا اور واپس مڑنے لگی جب مہدی کی پکار پہ رکی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو کیا؟" وہ جانے کس خدشے کے پیش نظر پوچھ رہا تھا۔ "میں نے دیکھا زینیا۔ کل اس سیمنار میں ہر کوئی میرے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر تم نہیں اٹھیں۔ ہر کوئی مجھے سراہ رہا تھا لیکن تم نے کبھی میرے لئے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ کل نہیں" . . . . وہ آگے کو آیا۔ زینیا اسکی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔ "یہ صرف کل نہیں ہوا۔ یہ ہر بار ہوتا ہے۔ تم کبھی میرے لئے کھڑی نہیں ہوئیں، تمہاری آنکھوں میں کبھی میرے لئے ستائش نہیں آئی۔ پرابلم کہاں ہے زینیا؟" راہداری کے سرے پہ کھڑا سفید اوور کوٹ والا مرد جواب کا منتظر تھا۔ زینیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے مسٹر کمبیر۔ مجھے جانا ہو گا۔" وہ سپاٹ انداز میں کہتی آگے بڑھی۔

"زینیا حاکم پرابلم کہاں ہے؟ تم مجھے جواب دیئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتیں۔" وہ مڑی اسکی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ جبڑے بھینچ گئے۔

"میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔ آپ کو سراہنے والے ہزار لوگ ہیں۔ میری کیا ضرورت ہے۔"

ہر کوئی زینیا حاکم نہیں ہوتا۔" وہ جواب دیئے بغیر مڑی مگر آگے نہ جا سکی۔ اسکی کلائی مہدی کمبیر کے ہاتھ میں تھی۔ زینیا ہل نہ سکی۔

"تم نے ایک دن کہا تھا میں پرابلم ہوں۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کیوں کہاں کیسے؟"

"آپ کو پتہ ہے پرابلم کہاں ہے؟ پرابلم آپ ہیں مہدی۔"

اس نے ہاتھ چھڑوایا مہدی نے چھوڑ دیا۔ "آپ کے الفاظ میرے دل پہ اثر نہیں کرتے کیونکہ آپ جھوٹے ہیں۔ جھوٹے انسان کے الفاظ میں تاثیر نہیں رہتی۔ آپ لوگوں کو کہتے ہیں کہ وہ خود کو معاف کریں کیا آپ نے کبھی خود کو معاف کیا ہے؟" مہدی کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔ لبوں پہ قفل لگ گیا۔

"آپ کو اپنے اندر بہت ساری چیزیں پسند ہوں گی۔ لیکن کیا ہے جس سے آپ کو نفرت ہے۔؟" مہدی خاموش رہا۔

"بتائیں مہدی کمبیر اپنی کس چیز سے نفرت ہے آپ کو؟" وہ چند پل مذید خاموش رہا۔

پھر دھیرے سے کہا۔

"میری آنکھیں۔" وہ اتنی ہلکی آواز میں بولا کہ بامشکل خود سن سکے۔ "مجھے میری آنکھوں سے نفرت ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ زینیا اس کے عین سامنے آکر رکی۔ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ اس کے قد کے ساتھ قد ملائے۔ سیاہ سفید مکس ہونے لگا۔ سنہری، سبز گھلنے لگا۔

"یہ آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔" مدھم سی سرگوشی پہ مہدی سانس نہیں لے سکا۔ زینیا حاکم اسکی آنکھوں کو خوبصورت کہہ رہی تھی؟

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کسی بھی انسان سے ملتے ہوئے میں سب سے پہلے اسکی آنکھیں دیکھتی ہوں۔ جب میں نے پہلی بار آپ کی آنکھیں دیکھی تھیں چند پل کے لئے مجھے بس قدرت دکھائی دی تھی۔ انکا رنگ دیکھا ہے؟ ان کے اندر انسانیت دیکھی ہے؟ کیا آپ نے ان کے اندر ٹراما اور معصومیت دیکھی ہے؟ نہیں دیکھی ہو گی کیونکہ آپ نے آج تک آئینے میں اپنی آنکھیں ہی نہیں دیکھی ہوں گی۔ آپ نے خود کو کتنی بڑی ازیت دے رکھی ہے جانتے ہیں؟" اسے ملال ہوا۔ مہدی کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔ وہ سنہری آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سبز آنکھوں کے گرد سنہری دائرے بننے لگے۔

"مجھے میری آنکھیں نہیں پسند۔" اس نے دہرایا۔ آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ "میری آنکھیں خوبصورت ہو سکتی ہیں، مگر آنکھیں نحوست ہیں۔ مجھے یہی بتایا گیا ہمیشہ۔" وہ گردن جھکائے کھڑا تھا۔ سبز آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

"کوئی دوسرا کون ہوتا ہے آپ کو یہ بتانے والا کہ آپ کا چہرہ کیسا ہے؟ آپ کی آنکھیں کیسی ہیں، آپ کا رنگ کیسا ہے۔ اگر کسی کو آپ کو کچھ کہنے کا حق ہے تو وہ آپ ہیں۔ آپ پہ سب سے زیادہ حق آپ کا ہے۔" اس نے انگلی سے مہدی کے سینے پہ دستک دی۔ مہدی کو وہ دستک اپنے دل تک جاتی محسوس ہوئی۔

"مجھے نہیں پتہ آپ کا ٹراما کیا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ماضی میں آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے، مجھے یہ بھی نہیں پتہ آپ کا خاندان کونسا اور کیسا ہے۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ مہدی کمبیر ایک اچھا انسان ہے۔ آنریبل، نفیس، رحمدل، اور خوبصورت بھی۔ میں بس یہ جانتی ہوں کہ جو گلٹ آپ کو اندر سے کھا رہا ہے، اس میں آپ بے قصور ہیں۔ اور اگر قصوروار تھے بھی تو اب وقت آگیا ہے کہ آگے بڑھا جائے۔ موو آن کیا جائے۔ موو آن زندگی سہل کر دیتے ہیں مہدی۔"

"میں قصوروار ہوں۔ میں نفرت ڈیزرو کرتا ہوں۔ میں نے کئی انسانوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے کفارہ ادا کرنا ہے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح الزام اپنے سر لئے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اور کتنا کفارہ؟" وہ دوبدو بولی۔ "ایسا کونسا کفارہ ہے جس نے آپ کو اپنی ہی آنکھوں سے نفرت کروادی۔ جس نے آپ کو اندر سے کھوکھلا اور بسمل بنا دیا۔ ہر غم کی ایک مدت ہوتی ہے، ایک ایکسپائری ڈیٹ۔ اس کے بعد غم ناسور بنتا جاتا ہے۔ انسان کو ختم کرتا جاتا ہے۔ آپ کے لفظ ساری دنیا کے لئے مرہم ہو سکتے ہیں لیکن آپ کے الفاظ زینیا حاکم کے دل پہ نہیں اترتے۔ اور دنیا میں ایسی کئی زینیا حاکم ہوں گی جنہوں نے آپ کی آنکھوں میں سب پڑھ لیا ہو گا۔ کیا کبھی کسی زینیا نے آپ کو آئینہ نہیں دکھایا؟"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ عجیب سی آواز میں بولا۔ گویا ابھی ہوش آیا ہو۔ "مجھے معلوم ہے میں نے کیا کیا ہے۔ تم مجھے مینوپلیٹ نہیں کر سکتیں۔" وہ تیز تیز قدم لیتا آگے بڑھ رہا تھا جب زینیا نے اسے عقب سے نہیں پکارا۔ وہ ان لوگوں کی مدد کرتی تھی جو اس سے مدد مانگتے تھے۔

"وہ دور جا رہا تھا۔ اسے زینیا کو نہیں سننا تھا مگر وہ کہہ رہی تھی، اسے کہنا تھا۔

"اپنی آنکھوں میں دیکھیں ہر روز دیکھیں۔ پہلے مجرم دکھے گا، پھر ملزم، اور پھر مظلوم۔ آہستہ آہستہ آپ کو ان آنکھوں سے محبت ہو گی۔" وہ چلا گیا تھا آوازوں کی بازگشت سے دور بہت دور۔ زینیا تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کچھ لوگوں کے لئے واقعی دل سے افسوس ہوتا ہے۔

راہداریوں سے دور باتھروم کے آئینے کے سامنے کھڑا مہدی کمبیر شل تھا۔ اسکی رنگت نچڑ چکی تھی۔ آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی تھی۔ وہ واش بیسن پہ جھکا ہوا تھا۔ پانی کی بہتی دھار سے ہتھیلی کے پیالے بھر لئے، اور چہرے پہ پانی مارا۔ اسے اپنی آنکھیں اور دل جلتا محسوس ہوا۔ اسکا ذہن کسی اور منظر میں کھویا ہوا تھا۔

ایک سبز آنکھوں والی عورت پلنگ پہ کروٹ کے بل اس کے ساتھ لیٹی تھی۔ اسکی آنکھیں سبز تھیں۔ کائی جیسی سبز۔

"تمہاری آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں مہدی۔"

"ممی ان میں کچھ بھی اسپیشل نہیں ہے۔ دنیا میں کئی لوگوں کی ایسی آنکھیں ہیں۔" بچہ مسکرا کر بولا۔

ماں مسکرائی تھی۔ اور جھک کر اسکی آنکھوں کو باری باری چوما۔ "ہر کسی کے پاس ایسی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ بات رنگ کی نہیں ہے۔ تمہاری آنکھوں کو خوبصورت قدرت بناتی ہے، انسانیت اور معصومیت۔ تمہاری آنکھیں آنریبل ہیں مہدی۔ ہر انسان کی آنکھیں اتنی خوبصورت نہیں ہوتیں۔"

منظر پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہوا۔ آج تک کسی نے یوں مہدی کی آنکھیں نہیں پڑھی تھیں۔ اسکی ماں کے بعد زینیا وہ پہلی عورت تھی جسے ان آنکھوں میں رنگ کے علاوہ کچھ نظر آیا تھا۔ مرد ہر عورت میں اپنی ماں کا عکس دیکھتا ہے۔ اپنی چھبیس سالہ زندگی میں کسی نے مہدی کی آنکھوں میں ویسے جھانکا تھا جیسے اسکی ماں نے۔

اسکی ماں کے بعد آج تک اسے کسی کے الفاظ سکون نہیں پہنچا سکے تھے۔ مگر زینیا نے اسے آج سکون دیا تھا۔ وہ جن سوالوں سے بھاگنے کی لئے اس نے پچپن ملک گھوم لئے تھے آج اسے انکے جواب ملے تھے۔ زینیا حاکم آج سے اسکے لئے عام عورت نہ رہی تھی۔ آج سے مہدی کمبیر نے اسے دل کے ایک اعلیٰ خانے میں رکھ دیا۔ اونچا، اور اعلیٰ۔

کئی لمحے بعد اس نے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ دبتا سانولا رنگ، مناسب نقوش، ماتھے پہ گرتے گیلے بال اور سبز آنکھیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کو دیکھا، اور اسکے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے۔ منظر ٹوٹ پھوٹ کر اس کی یادداشت کا حصہ بننے لگے۔

"تم نحوست ہو مہدی، تم مر کیوں نہیں جاتے؟ تمہاری سبز آنکھیں، آپ کی آنکھیں، مجھے تمہاری آنکھوں سے نفرت ہے، تم نے میرے بابا کو مارا، آپ کی آنکھیں خوبصورت ہیں، سبز قدم" . . . . . اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔ آنکھوں سے پانی کے قطرے بہنے لگے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ کی آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔"

اسے اپنی آنکھیں مجرم لگی تھیں۔ مگر کم از کم اس نے آج اپنی آنکھیں دیکھی تھیں۔ وقت لگتا ہے، ہیلنگ وقت لیتی ہے۔ مہدی کا وقت آچکا تھا۔

کانفرنس روم کی پاور چیئر پہ بیٹھا قیس تنقیدی نظروں سے اس" اسنیک بیک" نامی بلا کو دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ واحد روشنی سکرین پہ چلتی ویڈیو کی تھی۔ کسی نیٹ فلکس سیریز کے جیسی شروعات تھی۔ ہر کسی کی آنکھیں سکرین پہ ٹک کر رہ گئیں۔ زینیار یموٹ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ دیوار سے لگ کر کھڑی لڑکی کا تنفس غیر ہموار تھا۔ اے سی کے باوجود اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ قیس کی بے تاثر نظریں سکرین پہ جمی تھیں۔

سب سے پہلے جلی حروف میں بی قیو لکھا ہوا آیا۔ لوگوں کی آنکھیں ایک نقطے پہ جم گئیں۔ اس کے بعد دس سیکنڈ کا ایک بلیک اینڈ وائٹ کلپ تھا۔ جس میں کوئی ڈیزائنر سر ہاتھوں میں دیئے ہوئے تھا، تو کوئی آنکھوں میں چمک لئے اپنے بنائے گئے ڈیزائن کو دیکھ رہا تھا۔ آس پاس کاغذ بکھرے پڑے تھے اور ایک آدمی گردن ڈھلکائے مجسمے کے اوپر چڑھائے لباس پہ موتی لگا رہا تھا۔

کئی ڈیزائنرز کی آنکھوں میں زخمی مسکراہٹ تھی۔ ویڈیو آگے بڑھی۔ سکرین پہ ایک بار پھر چند الفاظ آئے۔

"قیسم . . . ایک برانڈ نہیں۔"

"قیسم . . خواب، جنون، خوبصورتی، بلندی، محبت"

سکرین ایک پھر سیاہ سفید ہوگئی۔ ہر ہر لفظ کے ساتھ سکرین پہ ایک سے ایک شاہکار ڈیزائن آجاتا تھا۔ جس وقت سکرین پہ الفاظ آتے، سکرین سیاہ و سفید ہو جاتی۔ پھر اگلے لمحے قوس قزح کے تمام رنگ چھا جاتے۔ ویڈیو اختتام کو آنے لگی تو قیسم کے تمام ڈیزائنرز ایک ساتھ کھڑے نظر آئے۔ ان سب کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ہاتھ میں کاغذ، قلم، رنگ

"جلد آرہا ہے ". . . . . سکرین پہ آنے والے آخری الفاظ یہی تھے اور پھر سکرین سیاہ پڑ گئی۔

A short film by zeeniya hakim

آخری الفاظ اس سیاہ سکرین پہ سنہری حروف میں جگمگائے۔ زینیا نے بے اختیار اپنے دل پہ ہاتھ رکھا نم ہوتی آنکھیں صاف کیں۔ سکرین پہ باقی ٹیم کے بھی نام تھے۔ کمرے میں روشنی چھا گئی۔ کانفرنس روم میں بیٹھا ہر ڈیزائنر تالیاں پیٹ رہا تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ زینیا عقب میں کھڑی نم ہوتی آنکھوں سے اپنی بلندیاں دیکھ رہی تھی۔ اپنے پندرہ دن کی بغیر سوئی راتوں کا ثمر، بھوک پیاس اڑائے رکھنے کا اجر آج اسے مل رہا تھا۔ سکرین پہ آتا اسکا نام اسے اس نام پہ فخر ہوا۔

اس نے نظریں ایک طرف کو موڑیں۔ قیس سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی۔ اور وہ مسکرایا تھا۔ زینیا کو اسکی آنکھیں بھی مطمئن لگیں۔ اپنی جگہ پہ بیٹھے اس نے زینیا کی جانب تھمز اپ کا نشان کیا۔

"گڈ جاب زینیا حاکم۔" وہ یک ٹک اسے دیکھتے بلند آواز میں بولا۔

"انعام کے طور پہ اس آفس میں تمھارے لئے چائے کی نہر بہائی جانی چاہیے۔" کسی نے اعلان کیا تو زینیا ہنس پڑی، وہ بھی ہنسا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ سارا کانفرنس روم ہنسا تھا۔ مگر جو sparkle ان دونوں کی آنکھوں میں تھا وہ باقی سب کے پاس مفقود تھا۔ قیس نے مسکرا کر سر کے خم سے اسکا شکریہ ادا کیا۔ زینیا کے سامنے اسے الفاظ کم ہی استعمال کرنے پڑتے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

چند گھنٹے بعد وہ دونوں قیسم کی بالائی منزل پہ بنے فوڈ کورٹ میں بیٹھے تھے۔ زینیا کے آگے چائے کے تین کپ رکھے تھے۔ ایک کپ قیس کے سامنے بھی رکھا تھا۔ آج کافی کی جگہ چائے۔ زینیا اپنے اپنے انسٹاگرام کے بتدریج بڑھتے ہوئے فالوورز دیکھ رہی تھی۔ ایک اسنیک پیک نے جہاں قیس کے سارے خدشے دھو ڈالے تھے وہیں زینیا حاکم کے لئے کامیابی کی نئی راہیں کھل گئی تھیں۔

"تمہیں چند دنوں میں قیسم سے ڈبل تنخواہ آفر کی جائے گی۔ لوگ تمھیں جاننے لگیں گے۔ تم تو مشہور ہو جاؤ گی۔" وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا تھا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی۔

"یقیناہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھے کہ تم میری مقبولیت کے گیت گاؤ۔پائنٹ پہ آناذرا۔" قیس اسکی بات پہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"تمہیں اگر قیسم چھوڑنا ہو تو بتادینا۔"

"میں قیسم نہیں چھوڑ رہی۔" اس نے اپنے لفظوں پہ زور دیا۔

"تم چھوڑ دو گی، سب بہتر آفر کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔یہ کوئی غلط بات نہیں۔"

"میں نہیں چھوڑوں گی، کیونکہ قیسم بہتر نہیں بہترین ہے۔" وہ زور دے کر بولی تو قیس رک سا گیا۔"ہاں ٹھیک ہے میرا باس تھوڑا ٹاکسک آدمی ہے۔اوورورک کرواتا ہے، مجھے ٹف ٹائم دیتا ہے، سب کو زچ کر کے رکھتا ہے۔لیکن اگر تم کسی بھی ورکر سے پوچھو تو کوئی قیسم چھوڑنے کو تیار نہیں ہو گا۔"

"اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" وہ آگے کو ہوا۔کپ واپس میز پہ رکھا۔

"کیونکہ قیسم مسیحا ہے۔کیونکہ یہاں کام کرنے والے نوے فیصد وہ لوگ ہیں جنہیں ٹیلنٹ کے باوجود بڑی بڑی کمپنیز میں گھسنے تک نہیں دیا جاتا۔کیونکہ سب غریب تھے، مگر قیسم نے انہیں بلندی دکھائی۔کوئی قیسم نہیں چھوڑے گا بے فکر رہو۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم باقیوں کو چھوڑو اپنا کہو۔" کہتے ہوئے اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔نظریں سنہری آنکھوں پہ جمار کھی تھیں۔

"کیا تم مجھے روکنا چاہتے ہو؟" زینیا کی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔

قیس دھیرے سے ہنس دیا۔بات بے بات آج کل وہ مسکرانے لگا تھا۔

"میں کسی کو نہیں روکتا۔میں تو اپنی سانس سے بھی ہر صبح خدا حافظ کہہ کر نکلتا ہوں۔"

"انشااللہ وہ بھی ایک دن تمھیں بدلے میں اللہ حافظ کہہ دے گی۔" زینیا نے اپنا کپ لبوں سے لگایا۔ "ڈونٹ ٹیل می تم آج گلٹی ہو اور مجھ سے معافی مانگنا چاہتے ہو۔"

"میں گلٹی نہیں ہوں۔ ہاں میں تمھارے ساتھ سخت تھا، لیکن تم اکیلی نہیں۔ یہاں ہر کسی کے ساتھ ایسا ہی رہا ہوں میں۔ میرا یہ رویہ آگے جا کر جسٹیفائیڈ ہو گا۔"

زینیا نے آنکھیں گھمائیں جیسے کہہ رہی ہو whatever۔ تھوڑی دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر زینیا کچھ کہنے لگی۔

"میں بہتر آپشنز کے لئے ضرور جاؤں گی قیس۔" وہ مسکرایا۔ جیسے اسے سب معلوم ہو۔ "لیکن میرا بہتر آپشن کوئی دوسرا فیشن ہاؤس نہیں ہے۔ میرا کیریئر ہے۔ جو کہ فوٹو گرافی نہیں۔ یہ ایک شوق تھا۔"

"لیکن اب یہ ایک اچھا کیریئر بن سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو بہت آگے جا سکتی ہو۔"

زینیا آگے کو ہوئی۔ فکر مندی سے اسکا چہرہ دیکھا۔ "کہیں آج تم کوئی فلم تو دیکھ کر نہیں آئے؟ مجھ سے اتنی نرمی سے بات کر رہے ہو کیسے۔ یہ تم نہیں ہو یہ کون ہے؟"

"تم مجھے اور میں تمھیں جانتے ہی کتنا ہیں؟" اس نے کرسی پہ پیچھے کو ہو کر ٹیک لگائی۔ "جب تم پہلی بار مجھ سے ملیں تو تم مجھے سٹالک کر رہی تھیں۔ اگلی دفع تم ڈرگز کا بھرا ہوا بیگ لے کر میرے گھر گھس آئیں۔ اور اس کے بعد ہونے والے واقعات بھی کوئی خوشگوار نہیں تھے۔ ایک اسٹالکر اور اسمگلر کے ساتھ میرا رویہ کیسا ہونا تھا؟" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ مگر آج اسکی مسکراہٹ طبیعت پہ اچھا اثر چھوڑ رہی تھی۔

"آج تمہاری ایسی باتیں سن کر پتہ نہیں کیوں لیکن مجھے لگتا ہے تمہارا تازہ تازہ بریک اپ ہوا ہے۔ اور تمہاری عقل ٹھکانے آگئی ہے۔" زینیا نے کوکیز اٹھا کر کترنے شروع کیئے۔ قیسم میں اسے کوئی کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

"بریک اپ کے لئے ایک عدد تعلق کا ہونا ضروری ہے۔" قیس جتا کر بولا۔

"ڈونٹ ٹیل می کہ تم اس بھری دنیا میں اکیلے ہو۔"

"اکیلا نہیں reserved ہوں۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"میں نے کہاناں ابھی تم مجھے جانتی ہی کتنا ہو؟ آہستہ آہستہ سمجھ جاؤ گی۔" اپنا کپ ختم کر کے میز پہ رکھا، اور زینیا کے آگے سے ایک کپ اٹھالیا۔

"تو پھر جان لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" زینیا نے پیشکش کی۔

"کیسے جانو گی، بہت جلد تم قیسم چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔" جانے وہ بار بار اس کے جانے کا ذکر کیوں کر رہا تھا۔ شاید وہ کوئی عندیہ چاہتا تھا۔

"تم ابھی مجھے جانتے نہیں۔ ورنہ میرے بارے میں ایسا نہ کہتے۔" زینیا نے اس کے الفاظ اسے لوٹائے۔

"تو پھر جان لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ زینیا نے سوچنے کی اداکاری کی۔ پھر اسکی آنکھیں چمکیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ٹھیک ہے، پھر ایسا کرو سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم زن بیزار کیوں مشہور ہو۔ اور اگر تم واقعی ایسے ہو تو تمھارے آفس کی گنی چنی عورتیں تم سے خوش کیوں ہیں۔"

"کیا ان ساری خوش عورتوں میں تم بھی شامل ہو؟"

"میں خوش نہیں ہوتی۔ یا کم از کم اتنی جلدی نہیں ہوتی۔"

"تم خوش کیوں نہیں ہوتیں؟ یا پھر اتنی جلدی کیوں نہیں ہوتیں؟" وہ مصر ہوا۔

"تمھارے ساتھ خوش رہنا مشکل ہے۔ یا شاید ناممکن۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مجھے ناممکن پسند ہے۔"

"تم مدعے سے ہٹ رہے ہو۔بات گھمارہے ہو۔"

"مجھے مدعے سے ہٹنا باتیں گھمانا پسند ہے۔"

"قیس" . . . . . زینیا نے تحمل سے اسے دیکھا۔ قیس نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔

"کیا؟ میں نے کیا کیا ہے۔میں تو بس تمہیں بتارہا ہوں کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔ تم مجھے جاننا نہیں چاہتیں؟" وہ آنکھوں میں سارے جہاں کی لاعلمی لئے ہوئے تھا۔زینیا نے جھرجھری سی لی۔

"سب سے پہلے تو تم مجھے جانو۔" اس نے قیس کے سامنے سے اپنا کپ اٹھالیا۔"مجھے اپنی چائے شیئر کرنا نہیں پسند۔"

قیس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "چیزیں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔"

"چیزیں بڑھتی ہوں گی۔ مگر چائے شیئر کرنے سے گھٹتی ہے،اور میرا شوگر لیول بھی۔" چائے کے کپ اپنے سامنے اکھٹے کرتے اس نے اطلاع دی۔ قیس چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔زینیا نے اپنا موبائل اٹھالیا تھا۔

"میں زن بیزار مشہور ہوں کیونکہ میں عورتوں کو بہت کم نوکری دیتا ہوں۔" وہ آہستگی سے بولا۔"اس لئے نہیں کیونکہ مجھے ان سے خار ہے بلکہ اس لئے کیونکہ عورتیں سست، نخرے باز اور نازک ہوتی ہیں۔اور قسیم یہ تینوں چیزیں افورڈ نہیں کر سکتا۔میں جن عورتوں کو نوکری دیتا ہوں وہ ambitious اور محنتی ہوتی ہیں۔اور چونکہ میں اپنے ملازمین کا خیال رکھتا ہوں سو عورتوں کو یہاں کام کرتے ہوئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ویسے نوکری دیتے وقت میرا یہی اصول مردوں پہ بھی لاگو ہوتا ہے۔ مگر لوگ اندھے ہیں۔وہ دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

زینیا نے موبائل چہرے سے ہٹا کر سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔پھر مختلف نظروں سے اسے دیکھا۔"تم بہت گہرے ہو۔"

"اور تم کنجوس۔" کنا کھیوں سے اسکی چائے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو شکر ہے ہم نے ایک دوسرے کو جاننے کی شروعات اچھی کی۔" وہ اپنے ڈھیٹ پن پہ ڈٹی رہی۔۔ قیس مسکرایا بولا کچھ نہیں۔

جان پہچان کا یہ سفر خیر سے گزرے خدا کرے۔

یہ منظر ایک چھوٹے سے سٹوڈیو کا ہے۔ جہاں سٹوڈیو کے عین بیچوں بیچ دو لمبی کرسیاں رکھی تھیں۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز۔ دیواریں مختلف قسم کی پینٹنگز سے سجی تھیں۔ ایک دیوار پہ بڑا بڑا جلی حروف میں " پاڈکاسٹ، اور چائے" لکھا تھا۔

کرسیوں کی طرف آؤ تو وہاں دو نفوس بیٹھے تھے۔ ایک میزبان۔ جو کہ غالبا ایک یوٹیوبر تھا۔ عمر پچیس کے ہندسے کو چھوتی تھی۔ اور نقوش واجبی سے۔ اسکے کانوں پہ بڑے بڑے مائیکس لگے تھے، ایک مائیک ہاتھ میں تھا۔

اس کے سامنے ہمارا مہدی کمبیر بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگ کے بیگی سوئیٹر کے ساتھ کارگو پینٹ پہنے بالوں کے تازہ اسپائکس بنائے وہ ہلکی بڑھی شیو والا مرد با اعتماد سا تھا۔

"اسلام و علیکم، ہیلو، ہائے۔ پاڈکاسٹ و د چائے کے ساتھ میں ہوں عقیل خان اور میرے ساتھ موجود ہیں۔ مہدی کمبیر۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے مہدی کی جانب اشارہ کیا۔ مہدی مسکرا رہا تھا۔ "جی ہاں۔ دی لائف کوچ، دی پبلک اسپیکر، دی ٹریولر، دی ہیلر۔ مہدی کمبیر۔ ہم نے مہدی کمبیر سے پچھلے شو میں بھی وقت لیا تھا لیکن وہ آ نہ سکے۔ وجہ جانتے ہیں پھر۔" وہ ہتھیلی ٹھوڑی تلے ٹک ائے وہ متجسس ہوا۔

"آپ کے پچھلے شو کا نام تھا پاڈکاسٹ ود کافی۔ میں آجاتا تو یہ میری چائے سے بے وفائی ہوتی۔" وہ مائیک منہ کے قریب لائے مسکرا کر بولا۔ عقیل پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"یعنی آپ یہاں چائے پینے آئے ہیں؟"۔

"جی ہاں۔ کوئی شک؟" کمال ڈھٹائی تھی۔

"میں اسے نہیں بھولوں گا اور آپ کا حساب شو کے بعد ہو گا۔" وہ برا مان گیا۔ مہدی نے سر کو خم دیا۔ "اس وقت تو ہم اپنی عوام کی خواہش پہ آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں۔" مہدی بلکل سنجیدہ ہو گیا۔ لوگوں کے لئے تو وہ جی جان سے حاضر تھا۔

"کچھ لوگ اچھی زندگی نہیں گزار پاتے۔ انکا بچپن ٹراماٹک رہا ہوتا ہے۔ یا پھر جوانی میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ غلط لوگ ملتے ہیں۔ غلط فیصلے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ زندگی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مگر خود کو معاف نہیں کر پاتے۔ آپ کو اس بارے میں کیا لگتا ہے۔" مہدی نے پورا سوال سنا، سر کو سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔ یوں ٹانگیں لٹکائے وہ کمفرٹیبل نہیں تھا سو پیر اوپر کئے آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔

"خود کو معاف نہ کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ یا تو وہ انتقامی کاروائیوں پہ اتر آتے ہیں اور ساری زندگی اپنے سے جڑے عزیز لوگوں کو ذرا ذرا سی غلطیوں پہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ذرا سی ناکامی کے بعد ہر کوشش ترک کر کے خود کو سزا دینے لگتے ہیں۔ ذرا ذرا سی غلطی پہ لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں معاف نہیں کیا گیا تھا سو وہ معاف نہیں کرتے۔" ساتھ رکھی میز پہ سے اس نے چائے کا کپ اٹھایا، گھونٹ بھرا اور پھر واپس مائیک چہرے کے قریب کیا۔ عقیل پوری طرح اسکی طرف متوجہ تھا۔

"اور دوسرے لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ چونکہ انہیں معاف نہیں کیا جاتا اس لئے وہ سب کو معاف کر دیتے ہیں۔" کہتے ہوئے اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ "ایسے لوگ خود کو بے توقیر کیا جانا معاف کر دیتے ہیں۔ خود سے بد تمیزی، خود کا رد کیا جانا، اپنی ذات کی نفی، اپنے آپ کو ذلیل کروایا جانا سب معاف۔ ایسے لوگ خوف زدہ ہوتے

ہیں۔انہیں لوگوں کو خوش کرنا ہوتا ہے تاکہ سب اچھا اچھا رہے۔فیری ٹیل یونو۔"وہ مسکرایا مگر آنکھیں نہ مسکرا سکیں۔کچھ الفاظ، صرف الفاظ نہیں ہوتے روح کا آئینہ ہوتے ہیں۔انہیں لکھتے، سنتے، کہتے یا پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے یہ ہماری ہی بات ہو۔اور یہ مہدی کی بات تھی۔ہاں شاید تمہاری بھی۔

"چاہے خود کو معاف نہ کیا جانا ہو چاہے لوگوں کو ایسے لوگ دونوں طرح سے تکلیف میں رہتے ہیں۔"مہدی نے بات ختم کی۔اور چائے کا کپ اٹھالیا۔عقیل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"دونوں نقصان میں ہیں کیا آپ اس بات کو ایکسپلین کر سکتے ہیں۔"

"بلکل۔دیکھیں عقیل جو لوگ دوسروں کو معاف نہیں کرتے وہ ہمیشہ لوگوں کو کھو دیتے ہیں۔اور تنہا رہ جاتے ہیں۔ہر وقت اپنے آس پاس لوگوں پہ شک کرتے رہتے ہیں۔اور خود کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔انکی زندگی میں سکون نہیں ہوتا۔انکے رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔اور زیادہ عرصہ چل بھی نہیں پاتے۔اور جتنا عرصہ وہ چلتے ہیں ان میں سکون ناپید ہوتا ہے۔

اور جو لوگ ہر کسی کو معاف کر دیتے ہیں ایسے لوگ بس خود کو بے توقیر کرتے رہتے ہیں۔لوگ انکا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ایسے لوگ خود کو تکلیف میں ڈال کر بھی لوگوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔خود کو اذیت دی جانا، خود پہ ہاتھ اٹھایا جانا، بار ذلت کے باوجود اسی تعلق میں واپس آکر ایسے لوگ کیا پاتے ہیں؟ازیت، تکلیف، ذلت۔اور گلٹ۔جو مرد خود کو معاف نہیں کرتے وہ ورک پلیس پہ خود کو استعمال کرواتے رہتے ہیں۔اور عورتیں سسرال یا پھر میکے میں ہونے والی زیادتی برداشت کرتی رہتی ہیں۔جانتے ہیں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مرد اور عورت کس طرح لوگوں کا کارپٹ بنے ہوئے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ انکی آنے والی نسل کی پرورش کیسی ہو گی؟انکا ڈر، انکا لو کانفیڈنس ڈی این اے کی طرح ٹرانسفر ہوتا رہتا ہے۔اور نسلیں یونہی برباد ہوتی رہتی ہیں۔"اسے جیسے افسوس ہوا تھا۔بے حد افسوس۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ان سب سے کیسے نکلا جائے؟ کیا ماضی کا ٹراما بھلا دینا اتنا آسان ہوتا ہے؟ اور اگر ہوتا ہے تو کچھ لوگ کیوں ساری زندگی اسی چکر میں گھرے رہتے ہیں۔؟" عقیل کے سوال پہ مہدی آگے کو ہو کر بیٹھا، پیر نیچے اتارے۔ اور سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"دیکھیں ٹراما ایک بہت بڑا لفظ ہے۔ یونہی ایک ذرا سے صدمہ، پریشانی اور ڈپریشن کو ہم ٹراما نہیں کہہ سکتے۔ ٹراما ایک بہت برے بچپن کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کی نظر اندازی، ٹیچرز کا برا رویہ، بچپن میں ہوا کوئی دردناک واقعہ۔ یا پھر جوانی یا عمر کے کسی بھی حصے میں ہوا کوئی غیر معمولی حادثہ۔ جسے سنا نہ گیا ہو، جسے پراسیس نہ کیا گیا ہو، جسے اہمیت نہ دی گئی ہو۔ اور جو کبھی ختم نہ ہو سکتا ہو۔" اس نے سانس لی۔ عقیل باغور اسے سن رہا تھا۔

"ٹراماز کا سائیکل انسان کو اپنے چکر میں گھیر لیتا ہے یوں کہ اسے خود بھی معلوم نہ ہوتا ہو۔ کئی انسانوں کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ آیا وہ واقعی لوگوں کو معاف کئے جا رہے ہیں؟ یا پھر کیا وہ واقعی سزائیں دینے لگے ہیں۔ کیونکہ ٹراما انکے جسم میں رہ چکا ہوتا ہے اور ایک مستقل ٹھکانہ انسان کو کمفرٹیبل کر دیتا ہے۔ اسی لئے اپنی زندگی میں لئے گئے فیصلوں، اور اپنے پیٹرن پہ غور کرتے رہنا چاہیے۔ اور جہاں آپ کو لگے کہ آپ کا پیٹرن سیم ہوتا جا رہا ہے یعنی اگر کسی نے آپ کو ہرٹ کیا اور آپ نے تین سے چار بار ایک ہی قسم کا فیصلہ لیا تو آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اور ہمارا مددگار کون ہے؟"

"اللہ۔ . پہلے اس سے رجوع کریں۔ وہ بس ایک پکار کی دوری پہ ہے۔ اور پھر اسکے بھیجے گئے نائب۔ ہر انسان اس دنیا میں اللہ کا بھیجا گیا نائب ہے جس کے ہاتھ میں ایک مقصد ہے۔ اور انہی لوگوں کے درمیان کچھ لوگ "ڈاکٹرز" کہلاتے ہیں۔ انکی زندگی کا مقصد ہوتا ہے فکس کرنا۔ وہ عقل و شعور جو انہیں اللہ نے دیا اسکے زریعے لوگوں کو فکس کرنا۔ ڈاکٹر ہمیشہ پوائنٹ زیرو سے شروع کرتا ہے۔ اگر آپ کو بخار ہے تو وہ پوچھے گا پچھلے ہفتے مچھروں میں تو نہیں سوئے؟ اسی طرح دماغ کے ڈاکٹرز آپ کے بچپن سے شروع کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا بچپن بہت خوبصورت

نہیں ہوتا۔" وہ مسکرایا۔ایک زخمی مسکراہٹ۔اسکے تاثرات ریاکاری سے پاک تھے۔کم بخت کو کوئی اداکاری سکھائے۔

"اب آتے ہیں اس سوال پہ کہ کیا ٹراماٹک لوگ اپنے اس تکلیف دہ سائیکل سے نکل سکتے ہیں؟ تو جواب ہاں ہے۔ بلکل نکل سکتے ہیں اگر وہ واقعی نکلنا چاہیں۔انسان کی will power چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔اگر وہ واقعی ایک ٹاکسک پیٹرن سے نکلنا چاہے تو وہ نکل سکتا ہے۔"

"لیکن کیسے ؟ابھی آپ نے کہا دوسروں کو معاف کرنا غلط ہے،اور ہر کسی کو معاف نہ کرنا بھی غلط۔دل کو سکون دینے کے یہی دو کام ہیں۔اس ٹاکسک سائیکل کو کیسے توڑا جائے؟"

"خود کو معاف کر کے۔" الفاظ تھے کہ امرت؟ سننے والوں کے دل پہ میٹھی پھوار بن کر گرے۔"یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔دنیا کے ساتھ رحم دل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ظالم نہ بنیں۔بچپن برا تھا تو یہ آپ کا قصور نہیں۔جوانی میں لوگوں نے قدر نہ کی،درست فیصلے نہ ہو سکے تو خود کو معاف کریں۔شادی، تعلق، جاب، کیریئر اگر ان میں سے کچھ بھی آپ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا تو اسے بھول کر آگے بڑھیں۔زندگی ہمارے پلانڈ شیڈول سے بہت آگے کا قصہ ہے۔ان تمام کاموں کی لسٹ بنائیں جن پہ آپ کو افسوس ہے۔وہ سارے درد لکھ ڈالیں جنہیں کوئی سننے والا نہ ملا۔روئیں، اپنا وقت لیں اور پھر آئینے میں کھڑے ہو کر خود کو دیکھیں۔آپ بیسٹ ہیں۔آپ نوبل ہیں۔آپ اعلیٰ ہیں۔کیونکہ جس نے آپ کو بنایا وہ نوبل ہے۔کیا آپ کو لگتا ہے اسے آپ کے درد تکالیف کا احساس نہیں؟" اسکے اپنے دل میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔سینے میں جلن سی ہوئی۔

"وہ لوگ جو خود کو معاف نہیں کرتے وہ آگے نہیں بڑھ پاتے۔اور پانی اگر ایک جگہ کھڑا رہ جائے تو جوہڑ بن جاتا ہے۔آپ نے جوہڑ نہیں بننا۔آپ دریا ہیں۔جو آندھیوں میں بھی چلتا ہے،بارشوں میں بھی، سخت گرمی اور سردیوں میں بھی۔کیونکہ اس نے رکنا نہیں سیکھا ہوتا۔آپ بھی ایک جگہ pause نہ ہوں۔"

عقیل نے مسکرا کر اسکے جواب سنے وہ متاثر نظر آتا تھا۔

"ہر وقت لوگوں کو معاف کرنا بھی درست عمل نہیں اور کسی کو معاف نہ کرنا بھی درست نہیں ان سب کے درمیان اعتدال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ آپ کو سیکھنا ہوتا ہے۔ یہ آپ کو خود سے سیکھنا ہوتا ہے۔ آپ کتابوں کی، لوگوں کی مدد لے سکتے ہیں۔ لیکن مین کریکٹر آپ خود ہیں۔ اپنے لئے سیکھیں۔"

عقیل اب اس سے اسکی ٹریولنگ کے متعلق کچھ پوچھ رہا تھا۔ مہدی جواب دیتا رہا۔ دیواریں کان لگائے سنتی رہیں۔

دن ڈھل کر غروب ہوا، شام سے رات آئی اور اسی رات میں اسلام آباد کے پہاڑوں کے ساتھ بنی ایک سڑک کی طرف آؤ تو گاڑیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ڈھلوانوں والی سڑک پہ ایک سیاہ ایس یو وی پوری رفتار سے اپنے ٹائر جماتے ہوئے گزر رہی تھی۔ آدھی رات کا سمے تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اکا دکا گاڑیاں کبھی کبھار دکھ جاتی تھیں۔

قیس کمبیر کی گاڑی میں مدھم موسیقی بج رہی تھی۔ وہ سر دھنتے ہوئے مسرور سا گاڑی چلا رہا تھا۔

"تو نو دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا۔

اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا۔"

عابدہ پروین کا صوفی کلام اسے مدہوش کئے دیتا تھا۔

مارچ شروع ہو چکا تھا۔۔ موسم اب بھی سرد سا تھا۔ گاڑی کے شیشے ہر تھوڑی دیر بار دھندلے ہونے لگتے تھے۔ دفتعا اسے دور سے کسی گاڑی کے ہیڈ لائٹس کی روشنی اپنی گاڑی کے شیشوں سے ٹکراتی محسوس ہوئی۔ گاڑی ابھی کافی دور تھی، مگر غلط سائیڈ پہ۔ ون وے روڈ پہ چلتی وہ گاڑی اور اسکے اندر بیٹھے شخص کی طرف آؤ تو وہ کوئی جانا پہچانا سا انسان تھا۔

نقوش دلکش، آنکھیں سیاہ۔ اور تاثرات میں گھلی برہمی۔ بالاج یوسف میر پورے ڈیڑھ ماہ بعد ایک بار پھر اسلام آباد آ چکا تھا۔ یہ ڈیڑھ ماہ اس کے لئے کٹھن تھا۔ یہ ڈیڑھ ماہ اس کے اندر ایک آگ جلتی رہی تھی۔ زینیا نے اسے جھکایا تھا، کہانی میں پہلی بار دیو کی ہار ہوئی تھی۔ کسی شہزادے سے نہیں بلکہ دیو کے اپنے صیاد سے۔

"تم اپنی غلطی کو فکس کروگے بالاج۔ ورنہ میری بہن اور میرے کاروبار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ تمہاری بیوی، اسے اب تم خود ختم کروگے یا پھر میں۔"

اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے صرف اور صرف اپنی بیوی کے بھائی کو منانے اور دلیلیں دینے کی کوشش کی تھی۔ مقام، دولت، بیوی کی بے لوث محبت ہر شے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل گئی تھی۔

زینیا کی بھیجی ہوئی چند تصاویر نے اسکی زندگی برباد کر دی تھی۔ اسکی بیوی کے بھائی نے اسے کاروبار سے جدا کر دیا تھا۔ بالاج کے اندر اب صرف ایک جذبہ تھا۔ انتقام کا جذبہ۔

"رتبہ، عزت، پیسہ سب واپس مل سکتا ہے۔ مگر اس بار تمہیں اپنی پہلی بیوی سے قطع تعلق کرنا ہوگا۔"

ہسپتال کے بیڈ لیٹی بالاج کی دوسری بیوی کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، جسے کو مابتایا گیا۔ دو دن ہو گئے تھے اسے ٹھیک ہوئے۔ اسکا شوہر، ایک بار پھر اپنی پہلی بیوی کی طرف جائے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔ ان دو دنوں میں اسکی نظروں میں بالاج کے لئے عقیدت، محبت احترام کچھ نہیں بدلا تھا۔ ہاں بس وہ ہرٹ تھی۔ اور اسکا بھائی اسے خوش کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

سو اس نے بالاج کے سامنے ایک آپشن رکھا۔ زینیا حاکم اور اپنے خاندان سے سر عام قطع تعلقی۔ بالاج وہ آپشن مان چکا تھا۔ مگر اسے انتقام بھی چاہیے تھا۔

"انسانوں کی کچھ پلاننگز ہوتی ہیں، مگر انکے اوپر ایک خدا ہے۔ اس کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی اٹل۔"

"تم واپس کیا کرنے جا رہے ہو بالاج؟" ٹیکسلا میں واقع ایک فلیٹ کے لاؤنج میں کھڑا بالاج کا دوست کہہ رہا تھا۔ صوفے پہ بیٹھے بالاج کی نظریں سپاٹ تھیں۔

"اسے اپنے حسن، ذہانت پہ بہت ناز ہے۔ مگر وہ بھول گئی ہے کہ ذہانت بھی اس عورت کی بھاتی ہے جس کے پاس حسن ہو۔ میں اس سے اسکا سب سے بڑا غرور چھین لوں گا۔"

"وہ تمہاری محبت تھی بالاج۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟" اسکے دوست کو تاسف ہوا۔ "تم خاموش بھی رہ سکتے ہو۔ تمہاری بیوی، تمہارا کاروبار سب واپس مل گیا ہے۔ تم بس زینیا سے تعلق ختم کر دو۔ جو کہ پہلے ہی ختم ہے۔ بس ایک اناؤنسمنٹ اور سب ٹھیک۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھا۔ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "بالاج . . . وہ معصوم ہے۔ بے قصور ہے۔ پلیز خود کو ان سب میں مت پھنساؤ۔"

بالاج نے جواب نہیں دیا۔ "تم جانتے تھے ناں وہ حلالہ نہیں ایک ڈیل تھی۔ اور اگر زینیا وہ مان لیتی تم سے دوبارہ نکاح کرتی تو وہ نکاح بھی حرام ہوتا۔ تم جانتے تھے ناں بالاج؟" بالاج کی رنگت سفید پڑی، دل کے ایک کونے نے ملامت کی۔ یعنی وہ واقعی جانتا تھا؟

"مجھے جو چاہیے میں لے کر رہوں گا۔ چاہے حلال چاہے حرام۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ کہتے ہوئے اٹھ کر اندر چلا گیا۔ رات کے وقت گاڑی میں تیزاب کی بوتل رکھتے ہوئے وہ نارمل تھا۔ بلکل نارمل۔

سڑک کی طرف واپس آؤ تو بالاج اور قیس کی گاڑی اب آمنے سامنے تھی۔ بالاج سامنے نہیں دیکھ رہا تھا اور قیس بس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سیدھ میں آتی گاڑیاں ایک دوسرے کے قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ بالاج موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ قیس کو لگا تھا کہ وہ سائیڈ بدل لے گا مگر نہیں . . . . . .

گاڑیوں کے درمیان بس چند قدم کا سا فاصلہ تھا جب بالاج نے موبائل سے نظریں اٹھائیں، آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تیز رفتار سے چلتی گاڑی پہ اس نے بریک لگانی چاہی۔ اسی پل قیس نے اسٹیئرنگ گھمایا، جلدی جلدی تیزی

سے۔اسکی گاڑی کا پچھلا حصہ بالاج کی گاڑی سے ٹکرایا۔ مگر وہ آگے نکل آیا تھا۔بالاج نہیں نکل سکا۔ تیز رفتار سے چلتی گاڑی پہ بریک لگانے سے اسکی گاڑی رکی نہیں بلکہ پلٹ گئی۔ شیشے ٹوٹنے کی آواز اور قیس اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

گاڑی سڑک پہ الٹی ہوئی، تین سے چار بار چکر کھائے اور سڑک کی ایک طرف کو جا کر گری۔ لمحوں کا کھیل تھا،چند پل کا شور تھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ قیس کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں بالاج کی گاڑی دکھائی دیتی تھی۔اسکا پچھلا حصہ مکمل طور پہ پچک گیا تھا اور اگلے حصے کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ قیس شل اور ساکت تھا۔آواز . . . آوازیں اسے حال سے ماضی میں لے جاتی تھیں۔

شیشے ٹوٹنے کی آواز اسے کئی سال پیچھے لے گئی تھی۔اسے اپنے جسم سے ساری جان نکلتی محسوس ہوئی۔بالاج کی گاڑی خاموش تھی۔کوئی آواز نہیں، کوئی شور نہیں۔ہر طرف خاموشی تھی۔ کئی لمحے بیتے، کئی ساعتیں گزریں اور پھر ایک آہٹ سی محسوس ہوئی۔ قیس نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سامنے دیکھا۔ہیڈ لائٹس کی روشنی میں گاڑی سے نکلتے مرد کا چہرہ اسے نظر آیا تھا۔ قیس زمان کمبیر جہاں تھا وہیں تھم گیا۔وہ اس مرد کو جانتا تھا۔وہ اس مرد کو زینیا کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھ چکا تھا۔وہ اس چہرے کو کیسے بھول سکتا تھا؟ وہ جس کا آدھا دھڑ گاڑی کے اندر تھا، مگر اسکا چہرہ اسکی فوٹو گرافک میموری میں چھپ گیا تھا۔

وہ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا۔چہرہ زخمی، شاید جسم بھی سخت زخمی تھا مگر وہ باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔ قیس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا مگر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔اسکا دل لرز رہا تھا۔قدم شل۔زبان گنگ۔اس نے مرے مرے ہاتھوں سے ڈیش بورڈ پہ ہاتھ مارا، اسکا فون اسکا فون کہاں تھا؟ چہرے سے پسینہ صاف کرتے اس نے جھک کر دیکھا۔ ٹکر کی وجہ سے اسکا موبائل ڈیش بورڈ سے نیچے گر گیا تھا۔موبائل ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے اسے وہ بے حد بھاری لگا، یا شاید اس کے ہاتھوں میں کوئی جان نہیں تھی۔کانپتے ہاتھوں سے براق حنیف کی چیٹ کھولی۔اپنی لوکیشن اسے بھیجی، اور وائس ریکارڈ کرنے کے آپشن پہ ہاتھ رکھا۔اس سے آپشن پہ ہاتھ نہ رکھا گیا۔ہاتھ لرز رہے تھے۔

اس نے دوبارہ کوشش کی۔اور بلاخر ایک میسج ریکارڈ کیا۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے براق۔ جلدی آؤ۔"

میسج فوراسین ہوا تھا۔ بدلے میں براق نے اسے کال ملائی۔ قیس موبائل نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اب بھی تگ و دو کرتے، گاڑی سے باہر نکلتے اس مرد کو دیکھ رہا تھا۔ براق کی کال اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر تخ پڑتے ہاتھوں سے لاک گھمایا۔ اور اب کی گاڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ شل ہوتی ٹانگوں سے باہر قدم رکھا۔ براق اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ قیس کے قدموں میں تیزی آئی۔ اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ گاڑی کی طرف جانے لگا مگر اسی پل ایک دھماکا سا ہوا۔ گاڑی اوپر کو اچھل کر نیچے آکر گری۔ قیس کے ہاتھوں سے موبائل چھوٹ کر نیچے گرا، وہ گھٹنوں کے بل سڑک پہ گر گیا۔ آس پاس دھماکے سے ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ شاکی آنکھوں سے سامنے دیکھتا رہا۔

لمحوں کے اندر گاڑی میں آگ لگ گئی تھی۔ نارنجی بھڑکتے شعلے، جلتا ہوا آدمی۔ اور اس کے ساکت بدن نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اس گاڑی اور اس مرد کو جلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ جس کی چیخیں عرش کو دہلا دیتی تھیں۔ مگر قیس ساکت تھا۔ ساکن۔ شل۔

اس وقت اس کے سامنے جلنے والا بالاج نہیں تھا۔ اس وقت اسکی آنکھوں کے آگے اس کے باپ کو مارا جا رہا تھا۔ وہ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا اور اس کے بہن بھائی گاڑی کے اندر زندہ جل رہے تھے۔ آوازیں گڈ مڈ ہونے لگیں۔ مناظر نے اپنا سیکوئنس کھو دیا۔ قیس چپ چاپ سامنے دیکھے گیا۔ آج اسے ٹراما سے نفرت ہوئی۔ آج اسے اپنے انسان ہونے سے نفرت محسوس ہوئی۔ آگ کے بھڑکتے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جلتے ہوئے مرد کی آہیں اس کے دل میں کھب رہی تھیں اور قیس کا جسم جامد تھا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

چند پل بعد آوازیں بند ہو گئیں۔ مزاحمت کرتے آدمی نے شاید دم توڑ دیا تھا۔ ہر طرف سکوت چھا گیا۔ اب بس ایک ہی آواز آتی تھی۔ جلتی گاڑی کے چٹختے پرزوں کی آواز۔ اسی پل خالی سنسان سڑک پہ دور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی کا دائرہ آگے آتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ روشنی سڑک پہ گھٹنوں کے بل ساکن بیٹھے قیس پہ

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

پڑی۔ گاڑی میں بیٹھے مرد نے بریک لگائی۔ گاڑی کا دروازہ کھولتا باہر آیا۔ قیس اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی نظریں اب بھی گاڑی پہ جمی تھیں۔

اسکی اور بڑھتا براق حنیف ایک پل کے لئے تھم گیا تھا۔ ایک لمحے بس ایک لمحے کے اندر اندر اسے علم ہو چکا تھا اسے آنے میں دیر ہو چکی ہے۔ اس وقت اس سڑک کو بھول کر کہانی کو چند منٹ روک کر حالیہ وقت سے ماضی میں سفر کرو تو بہت کچھ ہمارا منتظر ہے۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

چند سال قبل۔

چند سال قبل یہ ان دنوں کی بات ہے جب یونس رحمان کے دونوں بیٹے بختیار یونس اور مقصود یونس اسلام آباد آ بسے تھے۔ اپنے خاندان کو دفنانے کے بعد بختیار میں اب مذید لاشیں اٹھانے کی سکت نہ بچی تھی۔ اس پہ ستم یہ کہ کاروبار بھی ہاتھ سے گیا۔ (زمان کے پارٹنرز نے قیس کے اوپر غیر قانونی اسلحے کی فراہمی کا پرچہ کٹوایا اور جب تک مقصود اور بختیار نے اپنے حصے سے دستبرداری نہیں دی، بلکہ قیس سے بھی زبردستی کے دستخط کروا کر خالق حسین یعنی زمان اور سرور کے شراکت دار کو نہیں دیئے تب تک اس نے قیس کو تھانے میں بند کروائے رکھا اور میرہ کو حبس بے جا میں رکھا۔)

چند سال قبل کمبیرز اس عالیشان محل میں نہیں رہا کرتے تھے بلکہ چند سال قبل وہ " کمبیر " نہیں تھے۔

"کیا چاہتے ہو تم؟ ہم اپنی شناخت بدل ڈالیں۔ زمینیں چھوڑ دیں کاروبار سے ہاتھ دھو لیں؟ کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں؟" ہسپتال کی بیڈ پہ لیٹے مقصود کی آنکھوں میں تنفر تھا۔ بختیار چپ چاپ کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

"پھر تم بتاؤ کیسے لڑو گے تم؟" وہ مڑے نہیں۔ "اگر تم بھول گئے ہو تو اپنی ٹانگوں کو دیکھو تم معذور ہو چکے ہو۔" مقصود کے کرخت تاثرات میں دراڑ سی پڑی۔ وہاں ملال تھا۔ "اپنا داہنا ہاتھ دیکھو۔ اب کبھی حرکت نہیں کرے گا۔" وہ مڑے مقصود کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، تم رائٹی ہو۔ ان ہاتھوں سے سائن کرنے جیسے نہیں رہے تم اور تمھیں لگتا ہے تم بندوقیں چلاؤ گے؟" مقصود چپ چاپ انہیں دیکھے گئے۔ زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا۔ مہدی، اور قیس ایک ساتھ اندر آتے دکھائی دیئے۔ مہدی کو دیکھتے ہی مقصود ہتھے سے اکھڑنے لگے تھے۔ "اسے یہاں کیوں لائے ہو؟ خدا کی قسم اسے اور اسکی بہن کو میں اپنے ہاتھوں سے مار دوں گا۔ انکی گھٹیاماں کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب میں" . . . . انہوں نے دیوانہ وار پلنگ پہ بیٹھے بیٹھے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں۔ اور اپنے پلنگ کے ساتھ والی میز پہ رکھا گلدان اٹھا کر مہدی کی طرف اچھالا۔ قیس نے برق رفتاری سے اسے اپنی اوٹ میں کر لیا۔ کانچ کا گلدان اسکی پشت پہ لگ کر ٹوٹا۔ مہدی مذید سہم کر اس کے ساتھ چپک گیا تھا۔

بلکل اس بچے کی طرح ڈرا ہوا خوف زدہ سا، جس سے گھر میں غلطی سے کچھ ٹوٹ گیا ہو۔ جو فیل آیا ہو۔ جو کہیں لڑ کر آیا ہو۔ اور اب اسے ڈر ہو کہ اسے سزا ملے گی۔ یہ وہ دن تھے جب مہدی کمبیر نے خود کو گلٹی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اسکی تصیح کرنے والے ماں باپ اس کے ساتھ نہیں تھے۔ قیس اسکے سامنے کھڑا تھا اور مقصود کی طرف پشت تھی۔

"انس میرا بھائی ہے، اگر اس پہ کسی نے ہاتھ اٹھایا یعنی اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔" وہ سیدھا ہوا۔ بارہ سالہ مہدی کو یونہی اپنی اوٹ میں چھپا رہنے دیا۔ رعب تھا کہ کیا۔ زمان کے بیٹے کے آگے وہ دونوں مرد بول نہیں پاتے تھے۔

"آج کے بعد کوئی انس کو نقصان نہیں دے گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ مقصود کو ہسپتال سے گھر لے آئے تھے۔ قیس انکی دوائیاں احتیاط سے رکھ رہا تھا۔ تاثرات سپاٹ تھے۔ تھانے نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔

"میں نے ایک فیصلہ لیا ہے عبد اللہ۔" بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھے بختیار بولے تھے۔ "میں ہماری پہچان بدل رہا ہوں۔ ایک باب جس میں تباہی تھی۔ میں اسے بند کر کے آگے بڑھ رہا ہوں۔ آج سے یہاں کوئی "یونس" نہیں ہے۔ آج سے یہاں سب کمبیر ہیں۔" دوا کی شیشی پہ قیس کی گرفت سخت ہوئی۔ آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

"آج سے تم عبد اللہ زمان نہیں ہو۔ آج سے تم قیس کمبیر ہو۔ اور وہ" انہوں نے مہدی کو دیکھا۔ "نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نام دینا پڑ رہا ہے۔ تم آج سے مہدی کمبیر ہو۔ تمہارا اسکول بدل رہا ہوں۔ میں تمہارا کالج بھی بدل رہا ہوں عبد اللہ۔"

"قیس۔" اس نے دھیرے سے سر گوشی کی۔

"اور اگر تمھیں لگتا ہے تمھارے اس بے غیرتی کے فیصلے کو میں مان لوں گا تو تم غلط ہو۔" مقصود نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔ "چاہے ایک ہاتھ سہی، چاہے ٹانگوں سے معذور سہی لیکن جب تک عالم نواب کے ایک ایک بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں نہ اتارا میں سکون سے نہیں رہوں گا۔"

"بابا کے بعد دستار میرے سر پہ باندھی جانی تھی۔ یعنی آپ سب کا بڑا میں ہوں اور اب سے تمام فیصلے میں لوں گا۔" سیاہ آنکھوں والا لڑکا مستحکم لہجے میں بولا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"عبد اللہ تم سمجھ نہیں رہے ہم کمزور نہیں ہیں"۔ ۔

۔ "قیس" ۔ ۔ اس نے سر گوشی کی۔

"مجھ پہ یقین رکھو میں یہاں سے تم سب کو نکال لوں گا عبد اللہ تم ایسے نہیں تھے تم" ۔ ۔ ۔

"قیس کمبیر نام ہے میرا۔" وہ دوا کو شیشی فرش پہ مارتے ہوئے پھنکارا۔ ہر کوئی چپ سا ہو گیا۔ "اب یہاں یونس خاندان کا کوئی فرد نہیں ہے۔ جو ہے وہ کمبیر ہے اور میں ان سب کا سربراہ۔ میں ایک ایک سے اپنا انتقام لوں گا۔ عالم نواب کے بیٹوں سے بھی، اور خالق حسین سے بھی۔ درست وقت کا انتظار کریں۔ اس خاندان میں اگر کوئی ابلیس بنے

گا تو وہ میں ہوں گا۔" آخر میں اسکی آواز آہستہ ہوئی۔ اسی پل اسکی نظر ایک طرف کھڑے سبز آنکھوں والے لڑکے پہ پڑی۔ وہ سہما ہوا اور خوف زدہ تھا۔ اسے دیکھ کر قیس کا دل جلتا تھا۔ مگر بابا نے کہا تھا خاندان جوڑنا اور وہ جوڑے گا۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ مہدی کے قریب آکر رکا۔ ایک ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔ لمس میں سختی نہیں تھی، نرمی بھی نہیں تھی۔

"آئندہ کوئی اس پہ ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ مہدی کمبیر میرا بھائی ہے۔"

اس روز مہدی کمبیر نے اسے اپنی ڈھال مان لیا تھا۔ اب چاہے وہ اس کے ساتھ جیسا سلوک رکھے۔

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔"

اگلے کئی سال کمبیر خاندان کا بلوچستان کے اس گاؤں سے کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ حویلی چھوٹ گئی، زمین آدھی عالم نواب کے بیٹوں نے قبضہ کر لی اور آدھی سے آنے والی آمدنی پہ انکا گھر چلا کرتا تھا۔ شاہی ٹھاٹھ باٹھ ختم ہو چکے تھے۔ اب جو ملتا اس پہ گزارا کر لیا جاتا۔

زمان اور ان کے تمام بھائیوں نے گاؤں کی پسماندہ زندگی سے نکلنے کے لئے کئی سال قبل شہر کا رخ کیا تھا۔ اور انہی دنوں کچھ جان پہچان کے دوستوں کے ساتھ مل کر فیصل آباد میں ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں شراکت داری کر لی تھی۔ کاروبار کی سمجھ بوجھ اور بخت کے زور نے انکو بلندیوں تک پہنچایا اور چند ہی سالوں کے اندر اندر انہوں نے دو عدد ٹیکسٹائل فیکٹریز کھڑی کر لی تھیں۔ خالق حسین ان کے شراکت دار تھے۔ جنہوں نے آنے والے وقتوں میں قیس کمبیر پہ غیر قانونی اسلحے کی ترسیل کا الزام لگا کر کمبیرز کو کمزور کیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب قیس چوبیس برس کا تھا، اور اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ فیشن ڈیزائننگ کے کئی کورس مکمل کر لئے تھے۔ کپڑے سے محبت اس کے خون میں تھی۔ اور وقت کے دیئے زخموں نے اسے " آرٹ" بنانا سکھا دیا تھا۔

ایک روشن صبح کا ذکر ہے۔ براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں واقع براق کے کمرے کی بالکنی میں رکھے لمبے صوفے پہ قیس آنکھیں موندے سو رہا تھا۔ وہ کل براق کے ساتھ فیصل آباد گیا تھا۔ اور واپسی پہ اسی کے گھر آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ اتفاق تھا کہ قسمت براق کی ماں کا تعلق بھی ٹیکسٹائل انڈسٹری سے تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ایک فیشن ہاؤس" بیز کلکشن" کی فاؤنڈر بھی تھیں۔ جو کہ آج کل براق حنیف چلا رہا تھا۔ تفصیل کو چھوڑ کے بالکنی کی جانب آؤ تو نک سک سے تیار ایک عورت بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"کتنی بار کہا ہے براق کہ اب تم کوئی عام آدمی نہیں، تمہیں" . . . بستر پہ اوندھے لیٹے براق کے اوپر سے کمفرٹر اتارتے ہوئے رکیں۔ موٹی بھنویں آپس میں اکھٹا ہوئیں۔ گہری عربی آنکھیں سکیڑ کر انہوں نے بالکنی کے صوفے پہ سوتے ہوئے لڑکے کو دیکھا۔ سفید لمبے کافتان والا وجود اب بالکنی کی طرف بڑھ آیا۔ اسکی ہیل کی ٹک ٹک ماحول میں ارتعاش سا پیدا کرتی تھی۔

اس نے صوفے کے عقب میں کھڑے ہو کر اس سوتے ہوئے لڑکے کو دیکھا۔ ہلکی داڑھی، اٹھی ہوئی ناک، ماتھے پہ گرتے اس کی ہلکے گھنگریالے بال اور بھینچے ہوئے لب۔ وہ تو سوتے ہوئے بھی پر سکون نہیں ہوتا تھا۔ عورت نے اس کے سینے پہ دھری اسکیچ بک اٹھائی۔ لڑکا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور برق رفتاری سے اسکا ہاتھ اسکی پنڈلی تک گیا۔

سفید کافتان والی عورت نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ آنکھوں میں لڑکے کے لئے ترحم در آیا۔ "ریلکس اٹس می۔ اٹس اسناء۔" لڑکے کے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ مندی مندی آنکھوں سے حفاظت کا عنصر غائب ہوا۔ وہ براق کی ماں تھیں۔ اٹس اوکے۔ اٹس فائن۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

"یہ میری ہے۔" زکام زدہ آواز میں اس نے اسکیچ بک واپس لوٹانے کا مطالبہ کیا۔ اسناء مسکراتے ہوئے اس کے پیروں والی جگہ پہ آکر بیٹھیں۔ قیس نے جلدی جلدی پیر سمیٹ لئے۔

اسناء اب اسکی اسکیچ بک کے اوراق پلٹ رہی تھیں۔ اور ہر بدلتے صفحے کی ساتھ اسکی آنکھوں میں ایک الگ ہی تاثر در آتا تھا۔ کئی لمحوں بعد اس نے گردن اٹھائی۔ قیس اسے ہی تک رہا تھا۔

"آرٹ دل سے بنتا ہے۔ یا پھر ٹوٹے ہوئے دل سے۔ تم سے کونسا جذبہ آرٹ بنواتا ہے؟"

"انتقام۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ "میرا کام مرے دشمنوں سے انتقام لے گا۔"

"یہ صرف ایک کام نہیں ہے۔ اسے آرٹ کہو۔"

قیس کے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔ "اڑتیس فیشن ہاؤسز سے ریجیکٹ ہو کر آنے والے کام کو آپ آرٹ کہتی ہیں؟" ہر نوجوان پاکستانی کی طرح وہ ناامید ہو رہا تھا۔

"انتالسویں بار کوشش نہیں کی؟" وہ اسکیچ بک بند کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ کئی سال پہلے والی تلخ قلمی وہ بھلا چکی تھیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا لگتا ہے؟" وہ مسکرا کر جتانے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے تم تب تک کوشش کرتے رہو گے جب تک کوئی تمھیں ٹاپ ڈیزائنر کے طور پہ ہائر نہیں کر لیتا۔"

قیس گردن پیچھے پھینک کر مسکرایا تھا۔ سیدھا ہوا تو آنکھوں میں چمک تھی۔ "نوکری کسے چاہیے؟ مجھے تو حصہ داری چاہیے؟" اس نے بازو سینے پہ باندھے۔ اور تفصیل سے اسناء کو دیکھا۔ "میں نے ان اڑتیس فیشن ہاؤسز سے جاب نہیں شراکت مانگی تھی۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ اس" ہاتھ میں اسکیچ بک بلند کی۔ "آرٹ کے بدلے کسی نے تمہیں پارٹنر شپ نہیں آفر کی۔"

"کی ہے۔ مگر دس، پندرہ فیصد۔ مجھے نصف چاہیے۔" اس نے گردن صوفے پہ ڈھلکادی۔ ہاتھوں کو طلب سی ہوئی۔ اسکا سگار کہاں ہے؟

"گزرے وقت کے برعکس تم مجھے انٹرسٹنگ لگے۔ ویسے براق تمہاری ہی عمر کا ہے۔ تمہیں اس سے جلن نہیں ہوتی؟"

نہیں۔"

"کیوں؟ کیا تم فرشتے ہو۔؟"

"نہیں میں انسان ہوں۔ مجھے براق سے جلن نہیں، مقابلہ ہے۔ ایک دن میں اس سے زیادہ کامیاب، اس سے زیادہ امیر، اور اس سے زیادہ کماؤں گا۔" اسناء چند پل اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسکیچ بک کھولی وہیں سے جہاں بند کی تھی۔ وہاں ایک سرخ گاؤن کا اسکیچ بنا تھا۔

"انتقام کے درمیان کیا کہیں کوئی محبت بھی ہے؟" صوفے کی پشت سے سر ٹکائے قیس کمبیر ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔ ایک لمحے کو اسکا دل معمول سے زیادہ تیز دھڑکا۔

"مجھے محبت کا نہیں پتہ لیکن اس سے وفاداری اور وعدہ ہے۔"

"نبھاؤ گے؟ یا چھوڑ دو گے۔"

"اتنے سال میں اسکا خیال بھی نہیں چھوڑ سکا۔ ایک وجود کی نفی کرنا پھر قیامت ہو گی۔"

اسناء چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔

یہ لڑکا کچھ عجیب سا تھا۔

"جن پہ وقت مہربان ہونے لگے۔ان کے لئے سمندر میں خشکی کے ٹکڑے بننے لگتے ہیں۔صحراؤں میں ٹھنڈے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔"

"تم کب تک اس طرح ریجیکٹ ہوتے رہو گے قیس؟" یہ منظر بیز کلیکشن کے سٹوڈیو کا تھا۔جہاں اس وقت ڈھیروں ڈھیر نئے نئے ملبوسات ٹنگے تھے۔سنگی مجسمے اپنے اوپر خوبصورت، نفیس اور مہنگے جوڑے لٹکائے کھڑے تھے۔قیس انہی سنگی مجسموں میں ایک کے سامنے کھڑا تھا۔براق اس کے عقب میں۔

"کتنی بار ریجیکٹ ہوا ہوں؟صرف اور صرف چھیالیس بار۔کم از کم سینچری تو مکمل کرنی ہے۔"اس نے گلابی رنگ کا ایک گاؤن ہینگر سے نکالا۔آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔

"اب بس کر دو لوسفر۔ناکامیوں کی ایک حد ہوتی ہے۔اس کے بعد ناکامی ایک stamp کی طرح ماتھے پہ چھپ جاتی ہے۔تم اپنی زندگی میں آگے کیوں نہیں بڑھنا چاہتے؟"اس نے اگر بڑھ کر گلابی گاؤن اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھالا۔قیس نے پہلے اسے دیکھا پھر گاؤن کو۔

"یہ رنگ ٹھیک نہیں ہے"اس نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔براق کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

"میں نے تمہیں یہاں کافتان کے رنگ اور ڈیزائن پوچھنے کے لئے نہیں بلایا۔تم سمجھ کیوں نہیں رہے یہ تمھارے کمانے کا وقت ہے تم . . . . . ۔..۔"

"اور میں اسے ضائع نہیں کر رہا۔" اس نے سخت لہجے میں براق کی بات کاٹی۔ "میں جانتا ہوں مجھے پائنٹ زیرو سے سٹارٹ کرنا ہے۔ مجھے نوکری کرنی ہو گی اور مجھے نوکری کرنے میں عار نہیں۔ لیکن میں جس بھی فیشن ہاؤس کے لئے کام کروں گا وہ سب مجھے جانتے ہیں۔ میرے آرٹ کو بھی ایک دو سال میں مجھ سے ہزاروں ڈیزائنز بنوا کر دودھ سے مکھی کی طرح باہر نکال دیں گے۔ پارٹنر شپ سے میرے قدم جمیں گے۔ کوئی مجھے نکال نہیں سکے گا۔ میں بٹی ہوئی ریاست قبول کر سکتا ہوں غلامی نہیں۔"

"تو پھر ریاست بانٹ لیتے ہیں۔" یہ آواز عقب سے آئی تھی۔ سیاہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی قمیض کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہنے، بالوں کو جوڑے میں باندھے اسناء بنت حنیف بولی تھی۔ قیس نے پلٹ کر دیکھا۔ "تم اپنا آرٹ مجھے بیچو اور میں بدلے میں تمھیں حصے داری دوں گی۔"

"اور آپ میرے لئے اتنا سب کیوں کریں گی؟" ایک طرف براق تھا، دوسری طرف اسنا اور بیچ میں قیس کمبیر۔ اسناء کی آنکھیں چمکیں، ایک پل کو وہ آنکھیں کچھ عجیب سی ہوئیں۔

"کوئی ہے جو مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو کہتا ہے۔"

"کون؟" اسکے لبوں پہ سوال ابھرا۔ براق کی رنگت سفید پڑی۔ کہیں وہ بتانے والی تو نہیں؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مسیحا اپنی پہچان نہیں بتاتے۔" وہ اسی طرح کمپوزڈ انداز میں بولیں۔ براق کا سانس بحال ہوا۔ قیس کی آنکھوں کا تاثر ویسا ہی رہا۔ سرد، روکھا۔

"مجھے مسیحاؤں پہ اعتبار نہیں۔"

"انتقام پہ تو ہو گا؟" براق استہزائیہ انداز میں بولا۔ "کیسے لو گے انتقام۔ اس وقت تم چوبیس سال کے ہو۔ اور بے روزگار۔ اسلام آباد سے لے کر لاہور تک ہر فیشن ہاؤس تمھیں خبطی اور جنونی سمجھتے ہوئے تمہیں کام نہیں دے

رہا۔اور جنہوں نے دینا چاہا انہیں تمھارے باپ کے ایکس بزنس پارٹنر خالق حسین نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔" قیس نے پہلو میں گری مٹھی بھینچ لی۔انتقام سر اٹھا رہا تھا۔

"چند سال اگر مذید اسی طرح گزر گئے تو ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔انتقام لینے کے لئے بھی اسٹریٹجی اور مالی استحکام کی ضرورت پڑتی ہے۔میں تمہیں کوئی عطیہ نہیں دے رہا۔بلکہ میں تم سے مانگ رہا ہوں لوسفر۔"اس نے آخر میں اپنے لفظوں پہ زور دیا۔

"اپنا آرٹ مجھے بیچو اور بدلے میں ہم سے رقم لو۔"اب کے اسناء بولی تھی۔"بیز کلیکشن کا ایک پورا کلیکشن صرف تمھارے بنائے ہوئے ڈیزائنز پہ بنے گا۔تمہارا نام مارکیٹ میں آ جائے گا۔"

قیس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔اسکا آرٹ اس کے سالوں کی محنت۔یہ سب اس نے بیچنے کے لئے نہیں بنایا تھا۔یہ ایسے تھا جیسے آپ نے اپنا گھر سجانے کو سامان خریدے ہوں اور کوئی آکر انکی بولی لگائے۔

کئی لمحے وہ خاموشی سے فرش کو گھورتا رہا۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوتی تھی۔

"میرا آرٹ قیسم کے لئے ہے۔"اسکی آواز شکستہ تھی۔

"قیسم؟"دونوں کاروباریوں نے اچھنبے سے دہرایا۔

"قیسم" . . . اس نے بہت سارا تھوک نگلا۔"میرا گھر ہے۔"اسے راتوں کی محنت، تھکن بھرے دن یاد آئے۔"میرا خواب۔"

"تمہارا آرٹ قیسم کی بلندیوں تک جانے کے لئے پہلی سیڑھی ہے۔"اسناء آگے آئی۔اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔"پہلی سیڑھی کو پائیدار ہونا چاہیے۔تم کھوکھلے ہو۔میں طاقت ہوں۔تم کمزور ہو میں زور آور۔تم کچھ بھی بیچ نہیں رہے۔تم سیڑھیاں بنا رہے ہو۔"

"آپ بہت ظالم ہیں۔"وہ بے بسی بھری نفرت سے بولا۔اسناء مسکرائی۔

"کاروباری کو ظالم بننا پڑتا ہے۔" انکے لہجے میں مصنوعی تاسف تھا۔ "میں تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔"

/ "آپ بہت ظالم ہیں۔" وہ دہرا رہا تھا۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

واسناء اسکا کندھا تھپک کر باہر چلی گئی تھیں۔ اور قیس کمبیر کئی لمحے ہاں یا ناں کی کشمکش میں مبتلا رہا۔

"کئی بار خواہشات، خواب اور جنون کے بلندیوں پہ ہونے کے باوجود زندگی کے ساتھ معاہدے کرنے پڑتے ہیں۔ کمپرومائز بھی، اور سودے بھی۔"

قیس کمبیر اسناء بنت حنیف کی آفر قبول کر چکا تھا۔ چند ٹکوں کے عوض اپنا آرٹ پیچ دینا آرٹسٹ کے دل کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ گو کہ وہ چند ٹکے بھی بہت ساری رقم تھے، مگر قیس کمبیر کا آرٹ ہیرا تھا۔ جس کے لئے بس چمک کی قیمت ادا کی گئی تھی۔

انہی دنوں اسی چھوٹی سی رقم کے ساتھ اس نے "قیسم" کی بنیاد رکھی تھی۔ بیز کلیکشن کو دیئے ہوئے ڈیزائنز ابھی مارکیٹ میں نہیں آئے تھے۔ قیسم اسے تھکا دیتا تھا۔ اسکی پہلی کلیکشن کو صاف صاف کاپی کہا جانے لگا تھا۔ مگر یہی پہلی کلیکشن اسے متعارف کروا گئی تھی۔ اس کے پاس کام کرنے کے لئے صرف تیس لوگ تھے۔ قیسم کا بازو، قیسم کے سہارے، جن میں سب سے پہلی حدیبیہ نواز تھی۔ حدیبیہ نواز عرف حبیب سے ہونے والی پہلی ملاقات کوئی عام ملاقات نہیں تھی۔

یہ قیسم کے وجود میں آنے سے دو ماہ قبل کا ذکر ہے۔ نکھری تازہ دم سی صبح اسلام آباد کے چاروں کونوں کو منور کر رہی تھی۔

ایلیٹ کلاس کے ایک رہائشی اپارٹمنٹ کے دروازے کے آگے کھڑا قیس بیل پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ سفید پولو شرٹ کے ساتھ سیاہ جینز پہنے وہ تازہ دم لگتا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا تھا۔

ماضی کی حدیبیہ نواز دبلی پتلی سی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے، آنکھوں تلے سیاہ حلقے اور ملگجے سے لباس میں ملبوس اس لڑکی کی آنکھوں میں بے زاری واضح تھی۔ قیس کو دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے دیکھ اسکی بھنویں بھینچ گئیں۔

"میں اندر آسکتا ہوں حبیب؟" وہ بازو سینے پہ باندھ کر شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ اسکی نظر حدیبیہ کی بھینچی ہوئی مٹھی تک گئی۔ شاید اس میں کچھ تھا۔

"نہیں کیونکہ یہ کسی حبیب کا نہیں حدیبیہ نواز کا گھر ہے۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے دروازہ قیس کے منہ پہ بند کرنا چاہا مگر وہ بیچ میں اپنا ہاتھ اور بوٹ لے آیا تھا۔ پورا زور لگا کر دروازہ کھولا اور "شکریہ۔" کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

"مسٹر قیس میں تمہاری کسی قسم کی بکواس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑی ہو گئی۔ جانے کیوں اندر محتاط سا تھا۔ اور دروازہ اس نے بند نہیں کیا۔

"میں خالق حسین نہیں ہوں۔ مجھ سے مت ڈرو۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نرمی سے بولا۔ حدیبیہ ساکت رہ گئی۔ وہ کیا جانتا تھا؟ "تم نے اس رات مجھے بچایا تھا۔ آج میں تمہیں بچانے آیا ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ پورا کھول دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ اس سے خوف نہ کھایا جائے۔

"تم کس بارے میں بات کر رہے ہو میں کچھ نہیں جانتی۔" حدیبیہ گہری سانس لیتی آگے آئی اور وہ صوفے پہ اسکے سامنے آبیٹھی۔ قیس چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں جھپکیں، آنکھوں کے پپوٹے بند ہوئے اور انہی بند پپوٹوں کے پیچھے ایک سیاہ رات کا منظر سامنے آیا۔

دوماہ قبل قیسم کی عمارت اپنے تکمیلی مراحل کو چھو رہی تھی۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ اوپری منزل کی لفٹ سے سفر کرتا قیس کمبیر گراؤنڈ فلور کی طرف رواں تھا۔ اسی پل اسکا موبائل تھرتھرایا۔ کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر دیکھا تو کوئی غیر شناسا نمبر تھا۔ سبز سلائڈ کو موبائل کے ایک کونے کی طرف کرتے اس نے کال کا جواب دیا۔

"کل رات بارہ بجے کے قریب، قیسم کی عمارت میں آگ لگے گی۔ وجہ شارٹ سرکٹ بتائی جائے گی۔ مگر یہ جھوٹ ہو گا۔ تمہارے پاس پچیس گھنٹے ہیں۔ حفاظت کا انتظام کر لو۔" دوسری جانب سے انتہائی روبوٹک سا لہجہ سنائی دیا۔ قیس کی ٹانگیں شل سی ہوئیں۔ پسینے کی ایک لکیر نے ریڑھ کی ہڈی تک کا سفر کیا۔

"میں کیسے مان لوں یہ سچ ہے؟" اسکا لہجہ لڑکھڑایا۔

"کل رات تمہاری عمارت سے اٹھتے سرخ شعلے یقین دلا دیں گے۔"

"تم کون ہو؟" قیس جلدی بولا مبادہ فون کٹ ہی نہ جائے۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کئی لمحے بعد ایک غیر انسانی آواز سنائی دی۔

"میرا نام حبیب ہے۔" کال کٹ گئی تھی۔ اس کے بعد نمبر بند ہو گیا۔ اس رات قیس کمبیر نے عمارت کے چاروں طرف لوگ کھڑے کر دیئے تھے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اگلے دن اس نے تھانے جا کر بیان دیا کہ اسے خالق حسین سے جانی اور مالی خطرہ ہے۔ اور اگر اسے یا اسکی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچا تو اسکا ذمہ دار خالق حسین ہو گا۔ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی اور پھر وقت کی کایا پلٹی۔

بدنامی اور شیئرز کے ڈوبنے کا ڈر تھا کہ کیا، وہ خالق حسین جس نے قیسم کی عمارت جلانی چاہی تھی۔ وہی اب اسکی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرا تھا۔

آنکھیں جھپکتے ہی حال غالب آیا۔ حدیبیہ غیر آرام دہ سی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ "میں اپنے مسیحاؤں کو نہیں بھولتا۔ دو ماہ سے میں تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ اور دیکھو بلاخر میں تمھارے سامنے ہوں۔ تم نے مجھ پہ احسان کیا ہے اب بتاؤ تمھیں مجھ سے کیا چاہیے؟"

سیاہ آنکھوں والی لڑکی چند پل اسے دیکھتی رہی۔ کھنڈر چہرے پہ ذرا برابر رونق نہیں تھی۔ "تمہیں لگتا ہے تم مجھے کچھ دے سکتے ہو؟ میں خالق حسین کی پرسنل سیکریٹری ہوں۔ ایک دنیا ہے جو مجھے جانتی ہے۔ گھر، گاڑی، پیسہ، تعاشی سب ہے میرے پاس۔ تمہیں لگتا ہے حدیبیہ نواز کو کچھ چاہیے؟" کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں تنفر نہ آسکا۔ خالی لہجہ بے اثر تھا۔

قیس اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے صوفے پہ آگے کو ہوا۔ "اس حدیبیہ کو شاید کسی کی ضرورت نہ ہو لیکن ایک سولہ سالہ لڑکی ہے۔ جس کے ماں باپ ایک حادثے میں مر گئے۔ اور اس کے باپ کا بھائیوں جیسا دوست اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔" حدیبیہ کی رنگت فق ہوئی۔ وہ غیر آرام دہ ہوئی۔ "وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ سولہ سالہ لڑکی کو اسکی نظریں بری لگتی تھیں اور چھونا کراہیت دیتا تھا۔ کئی بار اس نے اس مسیحا نما شیطان کو جھٹکنا چاہا مگر وہ ناکام رہی۔ اور پھر ایک رات اسکی ساری مزاحمتیں ہار گئیں۔" حدیبیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ روح گھائل ہوئی۔ کئی سال قبل ہوئی تکلیف آج ایک بار پھر اتنی ہی شدت سے سر اٹھانے لگی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"پھر ہر رات یہی سب ہونے لگا۔ زیادتی۔ ٹی وی میں سنا جانے والا لفظ اسے ہر رات سنائی دینے لگا۔ محسوس بھی ہونے لگا۔ پہلے اسے خوف آتا تھا، پھر کراہیت اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان سب کی عادی ہوتی چلی گئی۔ اس دوران اس کے دو حمل بھی ضائع کروائے گئے۔" اب کے اسکی ہچکیاں بلند ہوئیں تھیں۔ آنکھیں بھل بھل بہنے لگیں۔ "لڑکی سب کچھ کرتی چلی گئی کیونکہ اسے لگا تھا خالق حسین نامی وہ آدمی اس سے محبت کرتا ہے۔ اسے ہر وقت قریب رکھنے کے لئے ہی اسے اپنا سیکریٹری تک رکھ لیا مگر آج اتنے سالوں بعد اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ بوڑھا گدھ اسے ماس سمجھ کر بس نوچتا رہا ہے۔"

"میں اس سے محبت کرتی ہوں۔میں . . . . اس کے بغیر نہیں رہ سکتی . . . . وہ جو ہے جیسا ہے مجھے اس کے ساتھ سکون ملتا ہے۔" وہ رو پڑی۔ کئی سال کے روکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔

"وہ تمہاری محبت نہیں ہے۔" قیس نے نرمی سے اسکی تصیح کی۔

it's trauma bonding

(یہ ایک سائیکالوجیکل اصطلاح ہے جس میں وکٹم اپنے ہی abuser کی مار، ذہنی یا جسمانی اذیت کا اتنا عادی ہو جاتا ہے، کہ وہ اس سے دور نہیں ہونا چاہتا۔ بعض دفع زیادتی، اغوا ہونے والی لڑکیوں کو اپنے ہی اغوا کار یا پھر ریپسٹ سے trauma bonding ہو جاتی ہے۔ جسے وہ محبت سمجھ بیٹھتی ہیں۔)

"مجھے نہیں پتہ محبت کیا ہے، لیکن کم از کم وہ نہیں جو تمہیں لگ رہی ہے۔ وہ اب تمہاری طرف نہیں دیکھتا کیونکہ تمھارے جسم سے اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے کئی سال تمہارا فائدہ اٹھایا، تمھیں ابیوز کیا، تمہاری ذہنی صحت اور تمھارے جسم کو نقصان دیا۔ تمھارے پاس دو راستے ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ حدیبیہ کے قریب آ کر بیٹھا۔ وہ نامحسوس انداز میں اس سے دور ہوئی۔

"میں تمھیں احسان کے بدلے ایک نئی شناخت، نئے تجربوں کے لئے کسی ملک بھیج دوں گا۔ دوسرا" . . . . اس نے لمبی سانس لی۔ "جوائن می۔ خالق حسین کے کچھ راز لاؤ، اور بدلے میں قیسم میں جگہ بناؤ۔ تم ان کے بغیر بھی آسکتی ہو مگر مجھے نہیں لگتا تم ایک بار پھر کسی مرد پہ اعتبار کر سکو گی۔" حدیبیہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گئی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جواب پانے کا منتظر رہا مگر وہ کچھ نہ بولی تو قیس دروازے کی جانب بڑھا۔ ہینڈل کھولتے کھولتے وہ رک گیا۔

"خود کو معاف کرو حدیبیہ۔ تم assault ہوئیں یہ تمہارا قصور نہیں۔ تم بچی تھیں۔ وہ نہیں تھا۔ خود کو معاف کرو کیونکہ تمہیں محبت اور زیادتی کا فرق نہیں پتہ تھا۔ مگر اسے معاف مت کرنا کیونکہ اسے سب پتہ تھا۔" اور پھر وہ ہینڈل گھما کر باہر نکل گیا تھا۔ حدیبیہ کی مٹھی میں بند نیند کی گولیوں کی ڈھیر ساری مقدار فرش پہ گر گئی۔

آنسو . . . آج اسکی آنکھوں نے ڈھیر سارے آنسو بہانے تھے۔ آج حدیبیہ نواز نے خود کو معاف کرنا تھا۔

"جب لوگ خلاف ہونے لگیں تو سمجھ جاؤ کامیابیاں مقدر بننے والی ہیں۔ بلندیوں کے سفر میں بہت کچھ سہنا ہوتا ہے۔ جن میں سر فہرست " نفرت، ہتک، جملے بازی، اور الزام ہے۔"

حدیبیہ نواز سے ہونے والی ملاقات سے پانچ سال بعد کا ذکر ہے۔ قیسم ایک طویل سفر کے بعد منزل کی اور روانہ تھا۔ پہلے چار سال سازش، انتقام، نفرت میں گزر گئے۔ پھر بلاخر لوگ قیسم کو جاننے لگے تھے۔ کام آسان نہیں تھا۔ جاننا چاہتے ہو کیوں؟

کرسی پہ بیٹھو، سامنے لگی دیوار کے پردے پہ چلتی ایک فلم ملاحظاہ کرو۔ جس میں کردار بس ایک تھا بس ایک . . .

وہ مہدی کے کمرے میں کھڑا تھا۔ سبز آنکھوں والا لڑکا بیگ میں سامان بھر رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں یاسیت سے اسے تک رہی تھیں۔ کتنا شوق تھا اسے اٹلی جانے کا۔ اسے وینس پسند تھا۔ تصاویر میں بہت خوبصورت جو لگتا تھا۔ ایک پل کو جی میں آیا کہ بستہ باندھے اور مہدی کے ساتھ نکل پڑے۔ مگر پھر یاد آیا کہ اگلے ماہ کے اختتام تک اسے "زرم کلیکشن" لاؤنچ کرنی ہے۔ کیونکہ اس سے اگلے ماہ عید تھی۔ کاش وہ سب چھوڑ چھاڑ کر جا سکتا۔ کاش۔

اگلے منظر میں کمرے کی بتیاں بند تھیں۔ نیم ملگجے سے اندھیرے میں راکنگ چیئر جھلاتا وہ شخص، آج اسکی آنکھیں اداس سی تھیں۔ یکدم جھولتی کرسی ساکت ہو گئی۔ اس پہ بیٹھے وجود نے اپنی گردن پیچھے کو ڈھلکا دی۔ لب ہلکے سے وا ہوئے۔ اور ایک ہائے سی نکلی۔

"لوگ اتنے ظالم کیوں ہیں اللہ؟" اسکی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر بالوں میں جذب ہو گئے۔

اسکی ڈیڑھ سالہ محنت اسکی کلیکشن پہ ایک نامور اداکارہ نے "اولڈ فیشن" کا ٹیگ لگا دیا۔ اور دیکھا دیکھی لوگ لئے ہوئے آرڈر، رد کروانے لگے، کاپی، نقل کے ٹھپے لگ گئے۔

بات بڑھتی چلی گئی۔ اسے ذہنی مریض قرار دیا گیا۔ اس کے باپ کی، اس کے خاندان کی موت زیر بحث لائی گئی۔ اس کے آرٹ میں کیڑے نکالے گئے۔ وہ کمنٹس نہیں تھے۔ کمبخت آرٹسٹس کے نازک دلوں سے پوچھو یہ کمنٹس تو ہر گز نہیں تھے۔ آج اسے پہلی بار لگا تھا کہ سب بند کر دیتے ہیں۔ قیسم پہ تالے لگا لیتے ہیں، آج کے بعد کوئی نیا ڈیزائن نہیں بناتے۔ آج بس۔ اب نہیں ہو گا کام۔

ہاں اسکا دل دکھتا تھا۔ ہاں جب کوئی criticism کے نام پہ اس کے کام کے بخیے ادھیڑتا تھا تو اسکا دل ٹوٹ جاتا تھا۔ آرٹسٹس کے دلوں کو ٹوٹنے اور جڑنے کی بہت عادت ہوتی ہے۔ مگر انکے دل چاہے جڑ بھی جائیں وہ ٹوٹی دراڑ یاد رکھتے ہیں۔

اس نے کئی بار آرٹ بلاک دیکھا تھا۔ اسکیچ پنسل اور کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ کئی کئی گھنٹے کوئی کام نہ کر پاتا تھا۔ کئی کئی راتیں وہ جاگ کر کام کیا کرتا تھا۔ اسکی صبح اور شام کا فرق ختم ہونے لگا تھا۔ شروعات میں کاروبار فائدہ کم نقصان زیادہ دیتا تھا۔ اس نے کئی بار پیٹ کاٹا تھا۔ کئی بار خواہشیں ماریں تھی۔ بلاخر چھٹے سال میں قیسم کو بخت لگا تھا۔ اسکی بنائی ہوئی عید کلیکشن، سمر کلیکشن ہاتھوں ہاتھ لے لی گئی۔

چھ سال بعد محنت کا ثمر ملا تھا۔ اس رات قیس کمبیر سو نہیں پایا تھا۔ اس رات اسے "خوف" آیا تھا۔ کامیابی سے، اسے خوف آیا تھا شہرت سے، وہ خوابوں کے اتنے نزدیک تھا کہ اسے ڈر لگا تھا کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو لے گا تو سب تحلیل ہو جائے گا۔ ساری رات خوف، ایکسائٹمنٹ، سکون، بے قراری، امید، فکر میں گزر گئی۔

اگلی صبح قیس کمبیر کو آدھا پاکستان جانتا تھا اب وہ عام آدمی نہ رہا تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"انسان کے پاس طاقت آجائے تو وہ دو کام کرتا ہے۔ماضی میں دکھ اور تکلیف دینے والوں بھول کر، معاف کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔دوئم۔وہ ان لوگوں کو یاد رکھتا ہے۔جتنا دکھ اس نے خود جھیلا اس سے زیادہ دکھ انہیں دیتا ہے۔اور تکلیف . . . . تکلیف دیتے وقت وہ حساب نہیں رکھتا۔"

اسلام آباد انٹر نیشنل ایئر پورٹ پہ کئی پروازیں اپنے سفر کو روانہ تھیں۔اور کچھ اعلان اب بھی باقی تھے۔لوگ ہاتھوں میں پاسپورٹ اور بیگز لئے یہاں سے وہاں آجا رہے تھے۔انہی لوگوں میں ہماری کہانی کے کچھ کردار بھی تھے۔

ایس ایچ او فیروز طاہر (یہ وہی ایس ایچ او ہے جس نے خالق حسین کے کہنے پہ قیس کی گاڑی میں غیر قانونی اسلحہ رکھوایا تھا۔اور اسے تین روز ایک جہنم جیسی زندگی گزارنے پہ مجبور کیا تھا۔)اور انکا اکلوتا بیٹا سعد طاہر۔شادی کے دس سال تک فیروز کے یہاں کوئی اولاد نہ ہو سکی۔دس سال بعد ایک لمبے چوڑے علاج کے بعد اس کے یہاں ایک بیٹا ہوا تھا۔اس کے ساتھ اسکی بیوی کھڑی تھیں جو بار بار بیٹے کی بلائیں لیتی تھیں۔اپنے اکلوتے بیٹے کا مستقبل بنانے کو وہ دونوں اپنی ساری جمع پونجی لگا چکے تھے۔

آج وہ امریکا جانے والا تھا۔ایک مہنگی یونیورسٹی اعلیٰ تعلیم،چند سال بعد ایک اچھی جاب،اچھی بیوی۔ماں باپ کا مضبوط سہارا۔اونہوں فیری ٹیل تھوڑے ناں ہے؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

چند پل بعد اس نے اپنا سامان چیکنگ کے لئے رکھا اور بپ بجی۔اٹھارہ سالہ بچے کا دل گھبرایا تھا۔سیکورٹی عملہ فوراسے پہلے الرٹ ہوا۔بیگ کو اٹھا کر کھولا گیا۔سعد طاہر جہاں تھا وہیں وہیں جامد ہو گیا۔بیگ کے اندر دو گنز تھیں۔سفید پڑیاں تھیں۔ایک ایک کپڑے ایک ایک سامان کو فرش پہ کھول کھول کر رکھا گیا اور ہر شرٹ کے اندر سے ہیرے نکلے۔

لڑکا رونے لگا تھا۔دو سے تین مسلح افراد اسے اپنے نرغے میں لئے جا رہے تھے۔میڈیا کو بریکنگ نیوز مل چکی تھی۔ایئر پورٹ کے باہر کھڑی پولیس کی گاڑیوں کے اطراف میں میڈیا کے لوگ بھی تھے۔مائیک تھامے ہوئے لوگ چیخ چیخ

کر خبریں سنا رہے تھے۔ سعد طاہر کو پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا۔ ایئرپورٹ کے احاطے سے اپنے بیٹے کو گھسیٹ کر لے جاتے پولیس والوں کے پیچھے سعد کے ماں باپ بھی تھے۔

فیروز چیخ چیخ کر اپنے بیٹے کی بے گناہی کے لئے دہائیاں دے رہا تھا۔ پولیس موبائل میں بیٹھا لڑکا ہر نیوز چینل کے کیمرے کی زینت بن چکا تھا۔ وہ ہراساں نظروں سے اپنے باپ اور پولیس والوں کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں بھل بھل بہہ رہی تھیں۔ گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ مگر اس کے ماں باپ وہیں اسی سڑک پہ تہی داماں کھڑے رہ گئے۔ فیروز دیوانہ وار کسی کو فون ملا رہا تھا۔

اسکا بیٹا اب امریکا کی اس یونیورسٹی نہیں جاسکتا تھا طے ہوا۔

اسکے بیٹے پہ ایک لمبا کیس چلنے والا تھا طے ہوا۔

وہ اب کبھی ایک نارمل زندگی نہیں گزار سکتا تھا طے ہوا۔

اگلے دو ماہ پیشیاں بھگتاتے گزرا تھا۔ انصاف کی اپیل کرتے دو ادھیڑ عمر والدین ہر جگہ سے نامراد لوٹ آتے تھے۔ ایسی ہی ایک تھکی ہاری دوپہر کو کورٹ کی راہ داریوں میں رکھی بنچ پہ فیروز بیٹھا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیوں کے درمیان اسے بس ایک آواز سننی تھی۔ اسکے بیٹے کی رہائی کا سندیسہ۔

"میں نے کہا تھا میں وقت کا فرعون بن کر پلٹوں گا۔ مجھے یاد رکھنا۔ کیا تم مجھے بھول گئے؟" اپنے عقب سے آتی آواز پہ فیروز طاہر جامد ہو گیا۔ آس پاس گویا برف کی دبیز تہیں چھا گئیں۔ اور اسکا دل برف ہو گیا۔ وہ آہستگی سے مڑا۔ اپنے سامنے کھڑے انسان کو وہ بھولا نہیں تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ اس وقت وہ کمزور تھا آج طاقت۔ وہ اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان نہیں رہا تھا۔

آج وہ انتیس سالہ قیس کمبیر تھا۔ طاقت ور، زور آور۔

"تم نے مجھے یاد تو رکھا ناں؟" وہ گردن ایک طرف ڈھلکائے معصومیت سے بولا۔ اسکی آنکھیں وہ عام آنکھیں نہ تھیں۔ فیروز سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں عبداللہ" اسکے لب دھیرے سے پھڑپھڑائے۔ "ماضی میں جو . . . . کچھ ہوا وہ . . . سب بہت پرانی بات ہے۔" اسکی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو بہہ نکلے۔ "میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں عبداللہ . . . . مجھے سزا دو۔ مجھے مار ڈالو لیکن میرے بیٹے کو جانے دو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر قیس کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔ سیاہ آنکھوں والے شخص کی روح میں طمانیت اتری۔ آنکھیں زخمی ہوئیں۔

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے میرے بیٹے کو بخش دو . . . . تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔ رحم کرو عبداللہ . . . . . رحم کرو۔" وہ چلا رہا تھا۔ گھگیا رہا تھا۔ اسکے آنسو قیس کے چمکتے جوتوں پہ گر رہے تھے۔ "میرے بیٹے کو اس جرم کی سزا مت دو جو اس نے نہیں کیا . . . . ظالم نہ عبداللہ۔ ظالم نہ بنو۔"

ایک جھٹکے سے اس نے اپنے قدم آزاد کروائے۔ فیروز دور جا کر گرا۔ مگر اس نے دہائی دینا نہ چھوڑا۔ قیس کی سیاہ آنکھیں سفاکی کی تمام حدود کو چھو رہی تھیں۔

"میں ظالم بن نہیں رہا۔" وہ مسکرایا۔ "میں ظالم ہوں۔" وہ جھکا۔ فیروز کی کلائی میں بندھی گھڑی نوچ کر اتاری۔ "میں کہانی کا ہیرو نہیں ہوں جسے تم پہ رحم آ جائے گا۔" گھڑی اپنی کلائی پہ درست کی۔ ٹھنڈی ٹھار نظریں فرش پہ گرے آدمی پہ مرکوز کیں۔ "تمہیں مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا۔"

اگلے پہروں میں وہ اس راہداری میں گردن تانے ہوئے مستحکم قدم اٹھا رہا تھا۔ کئی سال قبل تھانے سے نکلتے ہوئے اسکی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ جسم زخمی۔ آج سب مفقود تھا۔ آج وہ طاقتور تھا۔

عبداللہ زمان اب کہانی میں واپس آ چکا تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"انتقام جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی گہرا زخم بنتا جاتا ہے۔ کھرچنے پہ سرخ سیال بہاتا ہے۔ اور سرخ سیال کا بہنا بدشگونی ہی رہی ہے۔"

قیسم کو سات سال ہو چکے تھے۔ پچھلے دو سالوں میں فیشن ہاؤس کے ساتھ قیس کمبیر نے ٹیکسٹائل انڈسٹری میں بھی اپنے قدم جما لئے تھے۔ مگر آج تک جو واپس نہ مل سکا وہ باپ کا کھویا ہوا کاروبار تھا۔ وہ تین، تین ٹیکسٹائل ملز تھیں۔ جن میں اسکے خاندان کا اسکے باپ کا ستر فیصد حصہ تھا۔ مگر اب وہ سب لینے کا وقت بھی قریب آ چکا تھا۔

گاڑی ایک خاکستر سی فیکٹری کے سامنے آ کر رکی۔ تڑاتڑ برستی بارش میں گاڑی کا دروازہ کھلا۔ باہر آنے والا دراز قد مرد لمحوں کے اندر بھیگ گیا تھا۔ اسکی آنکھیں کسی احساس سے عاری تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ سے دروازہ کھول کر ایک عورت باہر نکل آئی تھی۔ اس نے مرد کے اوپر ہاتھ سے چھاتا تانا، مگر مرد نے ہاتھ بڑھا کر اسے ہٹایا۔ وہ بھیگنا چاہتا تھا۔ سفید شرٹ بھیگ گئی۔ بال ماتھے پہ چپک گئے۔ جوتے مٹی مٹی ہوئے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

فیکٹری کی طرف بڑھتے اسکے قدم بھاری تھے۔ ہر ہر قدم کے ساتھ بارہ سال کی اذیت یاد آتی تھی۔ بھوک، بیماری، تعاشی چھوڑ کمپرسری کی زندگی۔ خواہشات مارنا۔ بارہ سال اپنے حق سے پیچھے ہٹے رہنا۔ ہر ایک شے نے اسے " مارا" تھا۔ ہر ہر لمحہ موت تھا۔

فیکٹری کے اندر کاٹھ کباڑ تھا۔ عین سامنے ایک کرسی تھی، جس پہ ایک آدمی بیٹھا تھا۔ جسکا سارا جسم رسیوں میں جکڑا تھا۔ قیس کو اپنے سامنے دیکھ اسکا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ اسکے عقب میں کھڑی حدیبیہ۔ خالق حسین کو لگا تھا اب وہ کبھی سانس نہیں لے سکے گا۔

"لانگ ٹائم پارٹنر۔" وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ خالق کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ یک ٹک قیس کو اپنے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"بارہ سال پارٹنر . . . بارہ سال میں نے اذیت میں گزارے۔ تم نے مجھے کئی قسم کی موت دی۔ اپنے حق سے پیچھے ہٹ کر بے غیرتی کی موت۔ اپنے خاندان کی ضروریات مار کر بے بسی کی موت۔ در در کی ٹھوکریں۔ بے روزگاری۔ تم نے مجھے کئی بار مارا ہے مگر میں تمہیں ایک ہی بار ماروں گا۔ میں کتنا عظیم ہوں ناں۔؟" اس نے جیب سے پستول نکالی۔ حدیبیہ نے پہلو میں گری مٹھی بھینچ لی۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

an eye for an eye

سیاہ آنکھوں والے مرد نے اس کے کان کے پاس جھک کر سرگوشی کی۔ خالق جھٹپٹا رہا تھا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں سب واپس . . . . سب لے لو . . . سب پیسے لے لو . . . ملز لے لو . . . . سب لے لو مجھے جانے دو . . . . اللہ کا واسطہ ہے مجھے جانے دو۔"

قیس نے پستول اس کے منہ میں ڈال دی۔ یہاں تک کہ لوہا اس کے حلق کو چھونے لگا۔ اسکی آواز بند ہو گئی۔ جسم لرزنے لگا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں اپنا حق چھوڑ دوں گا؟" سرگوشی میں سرقلمی کی بو آتی تھی۔ "بہت سوچا میں نے کہ یہاں تمہاری زندگی کے بدلے تم سے اپنے شیئرز لکھوالوں لیکن نہیں۔ اس طرح تو سارا ملبہ میرے اوپر گرے گا ناں؟ لوگ پوچھیں گے، ایک آدمی نے بلاوجہ اپنی ملز کسی کے نام کر دیں اور پھر ایک پر سرار موت مر گیا؟" اسکے چہرے کے زاویے ناگواری میں ڈھل گئے۔ "ناٹ آگڈ آئیڈیا۔"

"میں تمہیں ماروں گا۔ پھر تمھارے خاندان کو اتنا زچ کروں گا کہ وہ خود میرے حصے کے شیئرز مجھے واپس لوٹائیں گے۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتا یونو۔ i feel very bad لیکن کیا کر سکتے ہیں۔ دنیا کا اصول ہے an eye for an eye" آخری بات اسکے اندر کے شیطان نے کہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں ڈھونڈنے سے بھی ترحم نہیں ملتا تھا۔ ہاں مگر اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔

وہ خاموش ہوا۔ چند پل سرد، سفاک، بے حس نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ٹریگر دبایا گیا تھا۔ گولی حرام مغز کو پھاڑ کر باہر نکلی۔ سر کا آدھا حصہ غائب ہوا۔ گوشت کے چیتھڑے روئی کے زروں کی طرح فرش پہ بکھر گئے۔ یہ قیس کمبیر کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔ خالق حسین کی آنکھیں خوف و دہشت سے اسی طرح کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہر شے ساکت ہو گئی۔ سوائے باہر برستی بارش کے۔

عقب میں کھڑی حدیبیہ کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ اس شخص نے اسکا بچپن، اسکی جوانی برباد کی تھی۔ آج وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ قیس چند پل پستول ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جانے کیوں مگر دل کی ایک حصے نے اسے ملامت کی، جانے کیوں مگر اسکی ٹانگوں میں لرزش تھی۔ جانے کیوں مگر اسے سکون نہ آیا، کم از کم یہ زندگی کا وہ لمحہ نہیں تھا جس کی قیس نے خواہش کی ہو۔ باہر کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک پل کو حدیبیہ کے پاس رکا تھا۔ چہرہ ہر تاثر سے خالی تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"wrap it off"

"میڈیا کو لیک دو کہ خالق حسین کا کچھ مشکوک لوگوں سے تعلق تھا۔ اور ان سے لئے قرضے کی بنا پہ وہ جلد ہی ایک مل خریدنے والا تھا۔ مگر انکے مابین ایک جھگڑا ہو گیا اور دوسری پارٹی نے پیسے واپس مانگے جو کہ واپس کرنا خالق حسین کے لئے اس وقت ممکن نہیں تھا۔ چونکہ لوگ relaible نہیں تھے تو یہ ہو گیا۔" اس نے اپنے عقب میں پڑی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو جائے گا باس۔"

"کیا میں نے تمھیں ہرٹ کیا حبیب؟" اب کے اسکی آواز میں جذبات تھے۔

"آپ نے مجھے ہیل کیا باس۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

قیس چھوٹے چھوٹے قدم لیتا باہر نکل گیا تھا۔ بارش برستی رہی، برستی رہی۔ وہ گردن آسمان کی طرف کئے بھیگتا رہا۔ ۔ پھر دھیرے سے گھٹنوں کے بل وہ زمین پہ بیٹھ گیا۔ چہرے پہ صرف بارش کا پانی نہیں آنسو بھی تھے۔

"آئی ایم سوری اللہ۔ . . . . . میں برا نہ بنتا اگر دنیا میرے ساتھ اچھی رہتی۔"

اگلے تین ماہ خالق حسین کے خاندان کے لئے کٹھن تھے۔ قیس نے طاقت کے بل پہ ہر طرح سے انہیں زچ کیا۔ کاروبار میں نقصان کروایا یہاں تک کہ انکو اس بات کا یقین دلایا کہ جس طرح اس نے خالق کو قتل کیا ہے اسی طرح وہ اس کے دونوں بیٹوں کو بھی کر سکتا ہے۔ تنگ آکر خالق کے دونوں بیٹوں نے ملز کے ستر فیصد شیئرز اس کے نام کر دیئے۔ بظاہر یہ ایک معاہدہ تھا۔ دنیا کو لگا تا تھا کہ قیس کمبیر نے یہ سب جیتا ہے مگر در حقیقت اس نے چھینا تھا۔

بقایا تیس فیصد شیئرز براق حنیف نے خرید لئے تھے۔ خالق حسین کے دونوں بیٹے اور بیوی براق حنیف سے ملی ہوئی رقم کے توسط کسی دوسرے ملک شفٹ ہو گئے تھے۔ اور قیس کمبیر ایک بار پھر اس کاروبار میں آگیا تھا جسے اس کے چچا اور باپ نے شروع کیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اگلے تین سال پر سکون تھے۔ قیسم ترقی کرتا رہا، دشمن مٹ گئے۔ مقام مل گیا۔ ماضی کی کتاب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر حال میں قدم رکھو تو کئی مسائل ہمارے منتظر ہیں۔ جن میں سر فہرست قتل، گھبراہٹ، فرار، اور گلٹ ہے۔

حال . . . . .

براق کی نظریں ساکت تھیں۔وہ کبھی جلتی ہوئی گاڑی کو دیکھتا تھااور کبھی گھٹنوں کے بل سڑک پہ بیٹھے قیس کمبیر کو۔

چند پل کے لئے وہ بلکل سن ساہو گیا۔بے دھم ہو کر گاڑی سے ٹیک لگائی۔آنکھیں بند کر لیں۔دماغ کسی قسم کے پراسیس سے عاری تھا۔چند پل اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے وہ لمبے گہرے سانس لیتا رہا۔چند پل میں اس نے بہت کچھ پراسیس کیا۔آنکھیں جل رہی تھیں۔اور دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔کئی پل بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔چند سانس لئے،گہرے لمبے۔اور قدم قیس کی جانب بڑھائے۔

"انسان کے پاس مصیبت میں کئی راستے ہوتے ہیں۔اچھے،برے،خاردار،پھولوں جیسے۔مگر کئی بار کوئی راستہ نہیں ہوتا۔سوائے فرار کے۔"

گاڑی سے ہٹ کر وہ موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔آنکھیں اب کے بلکل مختلف تھیں۔انداز محتاط سا۔وہ پراسیس کر چکا تھا۔

"میں نے تمھیں لوکیشن بھیجی ہے۔"وہ فون پہ کسی سے کہنے لگا۔"اس سڑک کی طرف تین روڈ مڑتے ہیں۔تینوں روڈز کی سی سی ٹی وی چیک کرواؤ۔میں ایک گاڑی کا نمبر پلیٹ بھیج رہا ہوں۔جس سی سی ٹی وی میں وہ گاڑی نظر رہی ہے،اسکی سی سی ٹی وی فوٹیج غائب کرواؤ۔"وہ قیس سے چند قدم کے فاصلے پہ تھا۔"سی سی ٹی وی ایک ترتیب سے غائب کرنا۔شام سات بجے سے لے کر رات کے دو بجے تک ہر گھنٹے کے دس منٹ کا فوٹیج غائب ہونا چاہیے۔"دوسری جانب سے کام ہو جانے کی تسلی دے دی گئی۔چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ قیس کے قریب آ کر رکا۔اور اسکے ساتھ سڑک پہ بیٹھ گیا۔

"جان بوجھ کر کیا؟یا انجانے میں۔"پہلا سوال۔

"انجانے میں۔"جواب سہا ہوا۔

"کتنے لوگ ہیں؟ مرے کتنے؟"

"ایک تھا۔ . . . . . اب نہیں ہے۔"

"مرنے والے کے لئے دکھ ہوا۔" براق کہتے ہوئے اٹھا۔ "لیکن کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

۔ پھر وہ قیس کے قریب جھکا۔ اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکا چہرہ اوپر کیا۔ قیس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں، جبکہ براق کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ تم . . نے . . کچھ. . نہیں . . کیا۔" قیس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"میں نے مار دیا ہے۔ میں . . نے مار دیا ہے براق۔ اوہ خدایا یہ میں نے کیا کر دیا؟" اسکی آواز میں وحشت تھی۔ دل خوف سے پھٹنے کے قریب۔

"یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا لوسفر۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔ اس روڈ پہ کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں ہے۔ باقی کے فوٹیجز میں ڈیلیٹ کروا چکا ہوں۔ تمہاری گاڑی کو بس زرا سی خراشیں آئی ہیں۔ میں آج رات ہی اسے فکس کروالوں گا۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔" اس نے قیس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا مگر وہ چھڑوا چکا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا قیس . . . ہم یہاں سے جا رہے ہیں کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ یہ جو بھی ہے ایک گمنام موت مر چکا ہے ہم اسے جانتے بھی نہیں تم" . . . .

"میں جانتا ہوں۔" شکستگی سے کہے گئے الفاظ نے براق کو ٹھہر جانے پہ مجبور کیا۔ "وہ زینیا حاکم کا شوہر ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔" آسمان سے کوئی پتھروں کا تھال تھا جو اس وقت براق کے سر پہ آ کر لڑھکا تھا۔ وہ بے دھم سا، لڑکھڑا کر قیس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میں اسے جانتا ہوں۔ میں بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ زینیا مجھے معاف نہیں کرے گی۔ سب ختم ہو گیا ہے۔ سب ختم۔" اسکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ وہ اپنی جگہ ساکن تھا۔ براق کو چند لمحے لگے مگر وہ پراسمیس کر چکا تھا۔ کنکروں سے بھری سڑک پہ ہتھیلی رکھتے ہوئے وہ اٹھا تھا۔ پھر اپنے ساتھ پورے زور سے قیس کو کھڑا کیا۔

"وہ عورت مر جائے گی مگر معاف نہیں کرے گی اور میں تمھیں یہاں اس طرح نہیں چھوڑ رہا۔" قیس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔" وہ جتا کر بولا۔

"تم میرے ساتھ جاؤ گے کیونکہ کوئی ہے جو مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو کہتا ہے۔"

"کون۔؟" استفسار کھوکھلا تھا۔

"مسیحا اپنی پہچان نہیں بتاتے۔" جواب رازوں کی دبیز تہہ میں دبا تھا۔

وہ قیس کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں والے شخص کے اندر اب اتنی ہمت نہ تھی کہ مزاحمت کرتا۔ یا شاید وہ ڈر گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کسی بھی طرح زینیا حاکم اسے یہاں دیکھے۔ اسے معلوم ہو قیس اسکے شوہر کا قاتل ہے۔ ہاں اسے سنہری آنکھوں کی بے اعتنائی سے خوف آیا تھا۔ کیوں نہیں پتہ مگر ان آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھنا ایک ایسا خوف تھا جو قیس کمبیر کی دل کو ساکن کر سکتا تھا۔ یہ سیاہ رات اجالے کے اعتراف ساتھ لائی تھی۔

"کچھ جرم انسان سے اسکا اصل چھین لیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سزا دینا چاہتا ہے مگر اس کے قریبی اسے بچا لیتے ہیں۔ وہ ظالم نہیں ہوتے، ہاں مظلوم بھی نہیں ہوتے۔"

قیس کمبیر کے کمرے میں ساری بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ بس ایک ذرا سی زرد روشنی تھی جس کا منبع لیمپ تھا۔ ایک طرف رکھے صوفے پہ مہدی کمبیر بیٹھا تھا۔ قیس اسکے ساتھ اور براق کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ فون کان سے لگا رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے موبائل کان سے اتارا اور سپاٹ نظروں سے ٹانگ جھلاتے، اضطرابی کیفیت میں ناخن چباتے قیس کو دیکھا۔

"وہ موقعے پہ ہی مر چکا تھا۔" ٹانگوں کی حرکت دم توڑ گئی۔ مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ "لاش بری طرح جل گئی ہے یہاں تک کہ شناخت جیسی بھی نہیں رہی۔ اسکی گاڑی میں ہیٹر جل رہا تھا جس کی وجہ سے آگ لگ گئی۔ اسکی ٹانگیں بہت بری طرح جلی ہیں۔ کیونکہ ان پہ تیزاب گرا تھا۔" خبر نامے کے انداز میں کہتے وہ فرج تک گیا۔ "جس وقت گاڑی الٹی تھی، اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں کھلی کھڑکی سے اسکا موبائل باہر گرا اور وہ آگ سے محفوظ رہا۔ موبائل میرے آدمی کے پاس ہے۔ اسے ڈسپوز کر دیا گیا ہے۔ آخری وقت میں اس نے اپنی بیوی کو لاتعداد کالز کی تھیں۔ میں نے اسکے موبائل کا سارا ڈیٹا محفوظ کروالیا ہے۔ شاید ضرورت پڑے۔" ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل اس نے منہ پہ چڑھالی۔ اور غٹا غٹ سارا پانی پی گیا۔ ساتھ ایک دوسری بوتل ہاتھ میں لئے واپس آیا۔

"میں نے سی سی ٹی وی ڈیلیٹ کروادیا ہے۔ عینی شاہد صرف ایک تھا جس نے تمہاری گاڑی دیکھی تھی اسکا منہ بند کروا دیا ہے۔ نیوز چینل پہ ایکسیڈنٹ کی اطلاع دے دی گئی ہے، اگر دو دن تک کوئی وارث آ گیا تو ٹھیک ورنہ لاوارث قرار دے کر ہسپتال انتظامیہ دفنانے کا بندوبست کر دے گی۔" وہ قیس کے قریب آ کر رکا۔ ٹھنڈی یخ پانی کی بوتل اس کے سر پہ انڈیل دی۔ پانی اسکے بالوں سے چہرے، اور پھر ٹھوڑی تک پھسلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسکی شرٹ سینے سے بھیگ گئی۔

"وہ مر چکا ہے، تم زندہ ہو۔ کل صبح تم قیسم جاؤ گے۔ اور نارمل رہو گے۔"

قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ صوفے پہ پڑا اپنا کوٹ اٹھایا۔ اسکی آنکھیں اس پل مختلف تھیں۔ "میں ظالم نہیں ہوں۔ میں ابھی کے ابھی جاؤں گا اور اس لڑکی کو بتاؤں گا کہ میں نے اس کے شوہر کو قتل کیا ہے میں اس کے وارث کو جانتے ہوئے اسے یوں گمنامی نہیں دے سکتا۔"

"کون لڑکی؟ وہ کس کا شوہر ہے؟" مہدی سارے وقت میں پہلی بار بولا تھا۔ ابھی قیس کچھ کہتا کہ براق بول پڑا۔

"قیسم کی ور کر ہے کوئی، تم نہیں جانتے۔ اور فلحال وہ اتنی اہم ہے بھی نہیں۔" اس نے بات بدل دی۔ بیڈ کے ایک کونے پہ ٹک کر جوتے کے تسمے باندھتے قیس کو دیکھا۔ پھر مہدی کو۔

"اب یہ تمہاری ذمہ داری۔" وہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ مہدی نے چھوٹے چھوٹے قدم قیس کی جانب بڑھائے۔ وہ ابھی بیڈ سے اٹھا تھا، مہدی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

"تم میرے ساتھ چلو گے مہدی؟ تم بہت اچھا بولتے ہو۔ اسے سمجھا دینا کہ میں" . . . مہدی نے اسے بازو سے پکڑ کر پلنگ پہ واپس بٹھایا۔ "میں نے غلطی سے سب کیا ہے مہدی۔ وہ اپنی سائیڈ پہ آتا تو یہ نہ ہوتا۔" اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ مہدی اب اسکے قدموں کے پاس جھک کر اسکے جوتے اتار رہا تھا۔ "میں اتنا ظالم نہیں ہوں میرے ساتھ چلو میں سب سچ بتا دوں گا۔" وہ اب دراز سے اسکی نیند کی گولیاں نکال رہا تھا۔ "مہدی . . . میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔" وہ بچوں کی طرح صفائی دینے لگا۔ مہدی نے دو گولیاں اسکے ہاتھ پہ رکھیں۔ پانی کا گلاس اسکے آگے کیا۔

"تم میرے ساتھ چلو گے ناں؟" وہ جیسے کچھ سن اور دیکھ نہیں رہا تھا۔

"سو جاؤ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے قیس کا ہاتھ اوپر کیا۔ مجبوراً اسے گولیاں کھانی پڑیں۔ "جو کچھ بھی ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔" پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا۔ "سب ٹھیک ہے۔" اس نے قیس کے پیر اوپر کر کے بستر پہ رکھے۔ اسکے سینے پہ زور دے کر اسے لٹایا۔ اور خود اسکے قریب بیٹھ گیا۔

قیس کے اوپر کمفرٹر درست کیا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ ہاتھ لرز رہا تھا۔ مہدی کا دل شل سا ہو گیا۔ دھیرے دھیرے سیاہ آنکھیں اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔ کئی لمحوں بعد لیمپ کی زرد روشنی میں دیکھو تو وہ آنکھیں موندے گہرے سانس لے رہا تھا۔ مہدی یونہی اس کے پاس بیٹھا رہا۔ نظریں چرائے ہوئے۔

سب ٹھیک تھا، سب فکس تھا۔ پرفیکٹ۔ کیا واقعی؟

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کچھ چیزیں کبھی فکس نہیں ہو سکتیں۔ جسٹیفائیڈ نہیں ہو سکتیں۔ سنبھل نہیں سکتیں۔ انسان ان کچھ چیزوں کے غم سے کبھی نہیں نکل سکتا۔"

آج پہلی بار وہ قیسم مجبوری میں آیا تھا۔ آج پہلی بار اسکی آنکھیں کام کی وجہ سے سرخ نہ تھیں۔ اس کے قدم شکستہ تھے۔ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے اسے ہر آہٹ ڈرا دیتی تھی۔ ہر فون کال سے خوف آرہا تھا۔ اسکا جی چاہا تھا کہیں چھپ جائے۔ جہاں کسی کو اسکے متعلق نہ پتہ چل سکے۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔

آفس کے اندر گھٹن بڑھ گئی تو وہ باہر نکل آیا۔ نہ جانے کیوں بے اختیار اسکا جی چاہا تھا کوئی ٹھہر کر اسکا حال پوچھے۔ کوئی آنکھوں کی سرخی چہرے کے رنج کا استفسار کرے۔ جی کے چاہ لینے سے کیا ہوتا ہے؟

سٹوڈیو کے باہر وہ رک گیا۔ اندر کئی لوگ کام کر رہے تھے۔ پرنٹ آؤٹس نکلنے کی آواز، کیمرے کے کلکس۔ وہ ان سب کو چھوڑ کے سنگی مجسمے کے عقب میں کھڑی بار بار کسی کو کال ملاتی زینیا کو دیکھے گیا۔ سیاہ رنگ کی سادہ قمیض کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر، سر پہ سیاہ دوپٹہ، کانوں میں چھوٹے ٹاپس، اور زینیا حاکم کی iconic کولاپوری چپل۔ یوں لگا جیسے آج وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

ایک الگ سا رنج الگ سی شرمندگی ہوئی۔ اسے یاد آیا کہ زینیا کے یہاں اولاد نہ ہونے پہ اسکے سسرال والے اسے طعنے دیتے تھے۔ اور قیس نے اسکی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ زینیا جھنجھلاتے ہوئے کال ملاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اسکے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کسے کال کر رہی ہو؟" مبہم سے سوال پہ زینیا نے چونک کر اپنی دائیں طرف دیکھا۔ پھر موبائل پہ weirdo نامی شخص کا نمبر۔

"کسے کال کر رہی ہو؟" اس نے دہرایا۔ زینیا نے ہونٹ کاٹے۔ قیس نے اسے ایک کام دیا تھا اسے کرنے کی بجائے وہ یہاں مہدی کو کالز ملا رہی تھی۔

"میں اپنے شوہر کو کال کر رہی ہوں۔" اس نے بات سنبھالی۔ مگر یہی بات قیس کے دل پہ جمی ہوئی برف کی طرح لگی۔ "میری کالز تو فوراً پک کر لیتا ہے۔ پتہ نہیں آج کیا ہوا ہے۔" وہ بے دھیانی میں کہہ گئی اس سے بے خبر کہ قیس کے دل پہ اسکے الفاظ نشتر کی طرح کھب گئے۔ وہ چند پل عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ کال ملاتی زینیا رک گئی۔ سنہری آنکھیں اٹھا کر سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" قیس جواب دیئے بغیر بس اسے دیکھتا رہا۔

"آپ ٹھیک ہیں باس؟" اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں ٹھیک نہیں؟"

"شاید تم بھول رہے ہو۔ میں اور تم ایک دوسرے سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ کم از کم پریشانی نہیں۔ کچھ ہوا ہے؟" آخر میں اس نے ٹھہر کر پوچھا۔

"کیا تمھیں فرق پڑتا ہے؟"

زینیا نے گہری سانس لی۔ "مجھ سے لفاظی نہیں ہوتی سیورس۔ اگر میں پوچھ رہی ہوں کیا ہوا ہے تو مجھے فرق پڑتا ہے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مجھ سے کچھ ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں تمہاری مشکلات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔" وہ رکا ہونٹ کاٹے۔ "کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو۔؟"

"معاف کر دوں؟ کس لئے؟ میری چائے پہ پابندی لگانے کے لئے؟" قیس اسے دیکھتا رہا۔ "میں ایسے معاف نہیں کروں گی۔ مجھے بھی مرغیوں کی طرح ایک روپیہ کیش دو۔"

وہ ہنس پڑا۔ بے بسی، تھکن بھری مسکراہٹ۔ "پھر بتاؤ ایک روپے کا چیک ملے گا یا کیش؟" وہ پھر سے ہنس پڑا تھا۔ اب کے یہ دل سے بوجھ ہٹنے والی ہنسی تھی۔ وہ ایک قتل کے گلٹ میں مرتے مرد کو دنیا مافیہا سے بے خبر کر کے، ساری فکریں چھوڑ ہنسنے پہ مجبور کر رہی تھی۔ کیا تھی وہ؟

"تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کس بات کے لئے؟"

"کل رات میں" . . .

"قیس تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اسے زینیا کے ساتھ کھڑے دیکھ سٹوڈیو کے دروازے پہ کھڑا براق تیز تیز قدم لئے اندر آیا۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے؟ جاؤ یہاں سے۔" اس نے زینیا کو سخت لہجے میں کہا۔ زینیا نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بند کر دیئے۔ براق اب قیس کو لئے وہاں سے جا رہا تھا۔ زینیا کئی پل اسکی پشت کو تکتی رہی۔ کیا ہوا تھا اسے؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سمندر کا شہر گوادر ہلکی ہلکی مینہ برسا رہا تھا۔ موسم سرد سا ہو گیا تھا۔ بشر کی چھوٹی گاڑی ایک ریستوران کے باہر آ کر رکی۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ سے گردن موڑ کر اس نے پیچھے بیٹھی دو لڑکیوں کو دیکھا۔

"تم دونوں یہاں سے اندر جاؤ، فیملی ہال میں جا کر بیٹھو میں گاڑی سائیڈ پہ کر کے آتا ہوں۔ اور خبردار جو کوئی فضول حرکت کی ہو۔"

"ہم دو بار پہلے بھی آ چکے ہیں تب تو تم نے کوئی نصیحت نہیں کی تھی۔" کونج چمک کر بولی۔ بشر نے انہیں جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ تب ہمارے ساتھ زینی بھی آئی تھی۔ کم از کم اس پہ بھروسہ ہے مجھے۔ تم دونوں سے زیادہ۔" وہ گاڑی سے اتر آیا۔ کونج اور عروج اپنی سبکی پہ خون کے گھونٹ پیتے نیچے اتر آئیں۔

بشر نے آگے بڑھ کر شیشے کا دروازہ کھولا اور ان دونوں کو اندر بھیجا۔ فرشی نشستوں والا ریستوران انتہائی نفاست سے سیٹ تھا۔ ایک بڑے سے ہال میں چاروں طرف گاؤ تکیے اور انکے درمیان ایک زمین کی طرف جھکی ہوئی میز رکھی تھی۔ ایک میز سے دوسری کے درمیان جالی دار پردہ تھا۔ عروج اور کونج بھی ایسی ہی ایک میز کے گرد آکر بیٹھیں۔ بشر بھی سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ عروج فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر گئی تھی۔

ہال کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پار سے سمندر کا اچھا نظارہ آتا تھا۔ بشر کے ساتھ اسے چند تصاویر ضرور لینی چاہیے تھیں۔

اسی پل جالی دار پردے سے آتی ایک آواز پہ کونج منجمند ہو گئی۔

"میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اب میں تمہیں اسکے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔" یہ فریحہ کی آواز تھی۔ کونج اس آواز کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ مگر وہ اس آواز پہ منجمند نہیں ہوئی تھی۔ اسکے دل کو برف کرنے والے جملے کوئی اور تھے۔

"کیا کسی نے تمہیں بتایا نہیں روتے ہوئے تم کسی کا دل توڑ دیتی ہو۔" یہ بھاری لہجہ، یہ دلفریبی، یہ رمز کونج حاکم ساری زندگی اس لہجے کو نہیں بھول سکتی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا کسی نے تمہیں بتایا نہیں تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔"

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" شاید وہ لڑکی اپنا ہاتھ چھڑوا رہی تھی۔ کونج کو اپنے تمام اعضاء سن ہوتے محسوس ہوئے۔ "تم کونج کو چھوڑ دو۔ پلیز اب اس کھیل کو ختم کرو۔ میں اب دل بڑا نہیں کر سکتی اب یہ مجھ سے نہیں ہو گا پلیز اسے ختم کرو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ "مجھ نہیں گرانا اسے، مجھے نہیں چاہیے کچھ بھی بس اسے چھوڑ دو۔ پلیز اسے چھوڑ دو۔"

" تم پرستش کے لئے بنائی گئی ہو۔ کوئی تمہیں چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ "

"میں اسے چھوڑ دوں گا۔" سیاہ آنکھوں والی لڑکی کی ساری دنیا برف ہو گئی۔ ٹھنڈی، یخ، بے جان۔ "بلکہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا کہاں ہوتا ہے؟ میں نے اسے تو کبھی اپنایا ہی نہیں تھا۔ یہ تمہاری ضد تھی فریحہ۔ تم اسے گرانا چاہتی تھیں، کیونکہ تمہیں لگا تھا وہ پارسائی کا ڈھونگ کرتی ہے۔ اس سارے میس میں مجھے پھنسانے والی تم تھیں۔ اب تم یوں سب کچھ مجھ پہ نہیں الٹ سکتیں۔" وہ خفا ہوا تھا۔ لڑکی شرمسار مگر کونج حاکم سن تھی۔ شل۔ ساکن۔

"ٹھیک ہے ناں۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ساری پارسائی دیکھ تو لی ہے اسکی اب کیا دیکھنا ہے؟ جو لڑکی چند ماہ پہلے تک مجھے درس دیتی تھی۔ وہ رات کو ایک نامحرم سے کال، اور چیٹ پہ کس قسم کی فحش گفتگو کرتی ہے وہ میں دیکھ، اور سن چکی ہوں۔" اس کے لہجے میں تنفر تھا۔

"اچھا بس کر دو۔ یہ ہمارا وقت ہے ہم ایک تھرڈ پرسن کو کیوں ڈسکس کر رہے ہیں؟" لڑکا ایک بار پھر خفا ہوا تھا۔ کونج حاکم کے منہ پہ جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔

"کونج تم میرے لئے اتنی اہم ہو کہ اب مجھے ساری دنیا تھرڈ پرسن لگتی ہے۔ تمہارا کام، پڑھائی، مشغلے۔ کیا تم ان سب کو چھوڑ کر صرف میری نہیں ہو سکتیں؟"

فریحہ کی طرف سے چند۔ پل خاموشی رہی۔ اسی لمحے بشر بھی اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ کونج اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم مجھ سے محبت تو کرتے ہو ناں؟" چند لمحے بعد فریحہ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"محبت بہت چھوٹا لفظ ہے کونج۔ میرے لئے تم سانس لینے کی وجہ ہو۔ مجھے اذانوں کی قسم ہے۔ میرے دل کے سارے جذبے بس تمھارے لئے ہیں۔"

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"محبت ایک لفظ ہے۔ عشق ایک احساس۔ مجھے تمہاری موجودگی سے عشق ہے فریحہ۔ کیا تمہیں مجھ پہ شک ہے؟" یہ الفاظ نری موت تھے۔ کونج حاکم کے لئے ساری دنیا الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ اسکی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ اسکے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اگلے کئی پل سلو موشن میں گزرے۔

بشر اسے لئے پریشان سا باہر جا رہا تھا۔ کئی لوگوں نے مڑ مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ کونج کو لوگوں کے ہونٹ ہلتے محسوس ہوئے۔ آوازیں نہ پراسیس ہو سکیں۔

انہیں پینک اٹیک ہوا ہے۔" ڈاکٹر بشر سے کہہ رہے تھے اور وہ پریشانی سے اپنی چھوٹی بہن کو تک رہا تھا۔ کونج اسے بھی نہ دیکھ سکی۔

اسے گھر لایا گیا، ابا اماں بے طرح پریشان تھے۔ ہر کوئی فکر مند ہو گیا تھا۔ کونج بس روئے جاتی تھی۔ لبوں سے کچھ کہے بغیر بس وہ روئے ہی جاتی تھی۔ پلنگ پہ اسکے قریب بیٹھی دادی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ چند پل وہ اسکا سر تھپکتی رہیں۔ یک دم کونج نے چہرہ باہر نکال کر عجیب سے نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ کئی گھنٹوں سے مقفل لب کھلے۔ اور چند الفاظ اسکے منہ سے نکلے۔

شہر بانو کو بھیڑیا کھا گیا تھا ناں دادی؟" عمر رسیدہ عورت جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ بوڑھی زمانہ شناس آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ "شہر بانو کا حسن نوچ لیا ناں دادی؟ وہ اپنی بہن کے بیٹے سے نہیں مل سکی تھی ناں؟ وہ کہانی جھوٹی تھی ناں دادی؟" ضعیف ہاتھوں نے اسکا سر تھپکا۔ اور اسے دوبارہ اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ آنکھوں کے رنج کا حال قلم کو لکھنے کی تاب نہیں۔

باقی سب کو باہر جانے کا کہا۔ سیاہ آنکھوں والی لڑکی دادی کے سینے میں سر چھپائے سسک رہی تھی۔ دل کا کونہ کونہ سلگ رہا تھا۔ ایسی تکلیف تھی کہ الاماں۔

زندگی نے اسے ایسا تجربہ دے ہی دیا تھا کہ وہ کہانیوں کا انت بوجھنے لگ گئی تھی۔ کیا زندگی تمہارے ساتھ کبھی اتنی ظالم ہوئی ہے؟

"تین دن . . . تین راتیں بعد"

نمل یونیورسٹی میں آج زینیا حاکم کا آخری دن تھا۔ شوق کے لئے لیا گیا سبجیکٹ آج اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔ وہ زیادہ دن آ نہ سکی تھی، زیادہ کلاسز نہ لے سکی تھی۔ مگر پھر بھی آج جب اسکا کورس ختم ہونا تھا تو کسی طرح سے وقت نکال کر وہ چلی آئی۔ یوں بھی قیسم میں اسکا کام اب بہت کم ہو گیا تھا۔ بس اب دن کے دو گھنٹوں کا کام تھا، اور زینیا آزاد۔

گھاس کے قطعے پہ ایک کونے والی جگہ پہ وہ یونیورسٹی کی تصاویر اتار رہی تھی۔ جب عقب سے کوئی اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔

"پہلو میں میرے جیسا ہینڈسم مرد کھڑا ہے پھر بھی اس بے جان عمارت کی تصاویر اتار رہی ہو۔ سیڈ۔" وہ تاسف سے بولا۔ زینیا مڑی نہیں۔ وہ فوکسڈ تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"جانتی ہو میری خواہش ہے۔ کسی دن میں اچانک سے تمھارے سامنے آ جاؤں اور تمہارا کیمرہ تمھارے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جائے۔ لیکن تم ہمیشہ الرٹ رہتی ہو۔" وہ زینیا کے کندھے کے آگے سے عمارت دیکھنے لگا۔

"آپ نے میرے کیمرے کے لئے اتنا برا کیوں سوچا ہوا ہے؟" اس نے کلکس لے کر کیمرہ نیچے کیا۔ مہدی فوراً سے اسکے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"تصویر کا دوسرا رخ بھی تو دیکھو۔ مجھے دیکھ کر تمھارے ہاتھوں سے کیمرہ گر جانا، پھر میرا تمہیں کیمرہ اٹھا کر دینا۔ کتنا خوبصورت منظر ہو گا نہیں؟ اچھا ایک تصویر تو بنا دیں سرکار۔" آخر میں وہ ذرا لجاجت سے بولا۔

"سنا تھا آپ بہت مشہور ہیں۔ لیکن آپ کی ہر وقت ہر جگہ موجودگی کوئی اور داستان کہتی ہے۔" اس نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔ مہدی مسکرایا۔ عقب میں کھڑی عمارت بھی مسکرائی۔

"مجھے دس فون کالز کر کے بلایا گیا ہے۔ تاکہ میری ایک تصویر بن سکے۔ تم جیسے نالائق سٹوڈنٹس کے ساتھ اور یونیورسٹی کا نام روشن ہو۔" زینیا تصاویر کے بجائے اس کی ویڈیو بنانے لگ گئی تھی۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بولتے ہوئے وہ اچھا لگ رہا تھا۔ یا زینیا نے آج ہی نوٹس کیا تھا۔

"لکی یو۔ یونیورسٹی انتظامیہ بھی کالز کر رہی ہے۔ سب کچھ ہے آپ کے پاس۔" وہ جان بوجھ کر اسے بولنے پہ اکسا رہی تھی۔ ایک لمحے کو مہدی کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"سب کچھ تو کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ میں پبلک سپیکر نہیں سائیکاٹرسٹ بننا چاہتا تھا۔ مگر میں اتنا ذہین نہیں تھا۔ دو بار فیل ہو گیا۔ اور بس" . . . اس نے ہاتھ اٹھا کر زینیا کو مزید تصاویر لینے سے روکا۔ وہ بھی کیمرہ اتار چکی تھی۔

"اچھا سنو۔" یکدم وہ اشتیاق سے کہتا آگے آیا۔ "کل رات میں نے ایک reel دیکھی، اس میں لوک کہانیوں کا ذکر تھا۔ تم ان پہ یقین رکھتی ہو؟ یا پھر تمہیں انکے بارے میں کوئی علم ہے؟ مجھے کچھ تفصیل چاہیے۔"

"کس کہانی کے بارے میں جاننا ہے آپ کو؟" وہ گھاس کے قطعے پہ بیٹھی کیمرہ بیگ میں رکھ رہی تھی۔ مہدی اسکے ساتھ آن بیٹھا۔

"سسی پنہل۔ سنا ہے سسی بہت بے وقوف تھی۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ پھر زینیا کے سخت تاثرات دیکھ رک گیا۔

"سسی بے وقوف نہیں تھی۔"

"اوکے اوکے۔" اس نے مصالحت جو انداز میں ہاتھ اٹھا لئے۔ "چلو پھر چائے اور مکئی کے ساتھ سسی پنہوں کی داستان سنیں۔" وہ اٹھا زینیا کے آگے ہاتھ پھیلایا۔ پھر فوراً سے پیچھے کر لیا۔ (زیادہ فری نہیں ہونا۔)

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کینٹین میں بیٹھے تھے۔ سامنے میز پہ چائے کے بھاپ اڑاتے کپ، اور بھٹے۔ جنہیں مہدی چھیل رہا تھا۔

"سسی ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔" سرمئی سوئیٹر والی لڑکی کہہ رہی تھی۔ "ہندوؤں میں نجومیوں اور کنڈلی پہ یقین رکھا جاتا ہے۔ سسی کی پیدائش کے وقت جب اسکی کنڈلی نکالی گئی تو اس میں کھوٹ تھا۔ نجومیوں سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ سسی بڑی ہو کر ایک مسلمان سے شادی کرے گی۔ اب اسکے ماں باپ بے انتہا پریشان ہو بیٹھے۔ متوقع ذلت کے خوف سے انہوں نے اس نوزائیدہ بچی کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا۔" مہدی بڑے ہی غور سے اسے سن رہا تھا۔ ساتھ ساتھ مکئی کے دانوں پہ لیموں کا رس چھڑک رہا تھا۔

"بھنبور سندھ کا ایک شہر ہے جہاں دریا کنارے ایک دھوبی خاندان رہتا تھا۔ تیرتے صندوق سے جب ایک صحت مند بچی ملی تو دھوبیوں کے خاندان کے ایک بے اولاد جوڑے نے اسے گود لے لیا۔ سسی انہی کے ساتھ بڑی ہوئی۔ پنہوں کا تعلق بلوچستان کے علاقے کیچ مکران سے تھا۔ سسی کی پنہوں سے واقفیت، محبت ایک لمبا قصہ ہے۔ اسے چھوڑ کر میں آپ کو کلائمکس بتاتی ہوں۔ سسی اور پنہوں شادی کر کے اپنی زندگی ہنسی خوشی بسر کر رہے تھے۔ انکی محبت لازوال تھی۔" مہدی نے مکئی کے دانے اسکے آگے کیئے۔ ساتھ چائے کا کپ بھی۔ اپنی چائے کا کپ بھی اٹھالیا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"پنہوں کے باپ کے کئی بیٹے تھے مگر اسے سب سے زیادہ محبت پنہل سے تھی۔ جب وہ کیچ مکران چھوڑ سسی کے عشق میں اسی کے علاقے کا ہو رہا تو اسکے باپ نے رو رو کر اپنی بینائی ختم کر دی۔ باقی بھائیوں سے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور انہوں نے پنہوں کو واپس لانے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ لوگ پنہوں کے گھر پہنچے تو انہوں نے سسی کا حسن دیکھا۔ پنہل کا اسیر ہونا بنتا تھا۔ اسکے بھائی چند دن وہاں رہے، ہر طرح سے پنہل کو واپس لے جانے کی کوششیں کیں۔ مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً اسکے بھائیوں نے رات کے وقت پنہل کو نشہ آور ادویات کھلائیں اور راتوں رات اسے اپنے ساتھ لئے کیچ مکران کی طرف کوچ کر گئے۔" بولتے بولتے وہ رکی۔ مکئی کے چند دانے منہ میں رکھے۔ زبان میں ذائقہ

سا گھل گیا۔ ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے سے مرچ تھے۔ مہدی نے مسکراتے ہوئے اسے چائے کا کپ تھمایا۔ زینیا نے فورا گھونٹ بھرا۔ ذائقہ عجیب سا، مگر اچھا سا ہو گیا۔

"مرچیں ہیں؟" وہ اسکی آنکھوں میں بھرتے پانی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ زینیا نے گردن کڑائی۔

"نہیں، ٹھیک ہے۔ مجھے تو صحیح لگا۔" ساتھ آنکھیں صاف کیں۔ مہدی مسکرا دیا کہا کچھ نہیں۔ بس کھموشی سے پانی اسکی طرف بڑھایا۔

"سسی جب صبح اٹھی تو اسکے لئے دنیا یہاں سے وہاں ہو چکی تھی۔ دوسری طرف اپنی حویلی میں موجود پنہل کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وہ دیوانہ سا ہو گیا۔ اٹھتے بیٹھتے سسی کا نام لیتا۔ بھائی، ماں، باپ اسے کوئی یاد نہ رہا۔ کوئی بات کرتا، حال پوچھتا، کوستا اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ ہر ایک سے پوچھتا" سسی ہو؟"۔" آس پاس لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ پبلک سپیکر کے ساتھ تصاویر کی چاہ میں بیٹھے لوگ حسرت سے زینیا کو دیکھ رہے تھے۔

"پنہل کی اس حالت سے تنگ آکر اس کے باپ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ اسے واپس سسی کے پاس چھوڑا جائے۔ دوسری طرف سسی بھی پنہل کو ڈھونڈنے کی خاطر صحراؤں کی خاک چھاننے نکل پڑی تھی۔ قصہ مختصر کریں تو ایک دن بلاخر سسی اور پنہوں کے راستے ٹکرائے۔" مہدی کی آنکھیوں میں دلچسپی در آئی۔ اس نے چائے کا کپ نیچے رکھا اور پوری طرح متوجہ ہوا۔

"ایک چھوٹا سا قافلہ تھا۔ اور ایک طرف اکیلی سسی اور بیچ میں پانی کا چھوٹا سا تالاب۔ رات کا دوسرا پہر تھا۔ تھکی ہاری سسی کو تالاب سے پانی پیتے ہوئے وہ قافلہ دکھا مگر ساتھ ساتھ اسے وہ تالاب رات کے اندھیرے میں پوری نہر لگا تھا۔ صحرا الوژن دکھاتا ہے۔ سسی نے بھی دیکھا۔ تالاب میں گر کر مرنے کی بجائے اس نے صبح کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ سسی جاگتی رہی، جاگتی رہی مگر رات کے آخری پہر اسکی آنکھ لگ گئی۔ اور قافلہ صبح ہوتے ہی کوچ کر دور چلا گیا۔"

"سسی کتنی بے وقوف تھی۔" یکدم مہدی تیز لہجے میں بولا۔ بے وقوف عورت کو یہ نہیں پتہ چل سکا" . . . .

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سسی بے وقوف نہیں تھی۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔ "اسے پنہوں کے عشق نے الوژنسٹ کر دیا تھا۔ اسے لگا تھا اسے پنہل تک پہنچنے کے لئے کئی بڑی بڑی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا، اسے کئی قسم کی سختیاں اور تکالیف جھیلنی پڑیں گی۔ یہ سفر اس کے لئے بلا تھا۔ سسی نے کئی بار خود کو بڑی بڑی مشکلات میں تصور کر لیا تھا، اس نے تصور کی دنیا میں کئی بار پنہل کے لئے خود کو ہر خطرے سے لڑتے دیکھا تھا۔ پھر یوں اچانک اتنی آسانی سے پنہل اسکے سامنے آجائے گا یہ اسکے وہم و گمان میں نہیں تھا۔" ایک پل کے لئے مہدی بلکل لاجواب سا ہو گیا۔

"ہر انسان نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی بلائیں تصور کر رکھی ہیں۔ کچھ انسان ساری زندگی انہیں بس تصور کرتے رہتے ہیں اور کچھ انکا سامنا کر لیتے ہیں۔ اور سامنا کرنے سے پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟" وہ رازداری سے آگے کو ہوئی۔

"بلائیں برم نکلتی ہیں۔" مہدی نے جملہ پورا کیا۔ "مجھے لگتا تھا اگر کسی روز کسی نے مجھ سے پوچھا کہ تم خود کو معاف کیوں نہیں کرتے مہدی۔ میں تو اس روز مر جاؤں گا۔ جیسے کسی بلا کے چنگل میں آجاؤں گا۔ لیکن مجھے دیکھو۔ میں بلکل ٹھیک ہوں۔"

"آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" اعلان کرتے ہوئے وہ پیچھے ہٹی۔ مہدی نے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"صحیح کہا۔ کچھ قفس جلدی نہیں ٹوٹتے۔ کچھ معافیاں فوراً نہیں مل جایا کرتیں۔ کچھ بلائیں یونہی نہیں ٹل جاتیں۔" پراسیس "ضروری ہوتا ہے۔ ایک وقت کے بعد انسان کو پتہ چل جاتا ہے اصل بلا وہ خود ہے۔ مگر کئی بار بلائیں اپنی ہی طاقت سے ناواقف ہوتی ہیں۔"

"آپ اپنی طاقت نہیں جانتے؟"

مہدی نے کندھے اچکائے۔ "دوسروں کو اپنی طاقت بتانا بھی کمزوری ہوتا ہے۔" آگیا وہ اپنی mean کمبیر والی عادت پہ۔ "بائی داوے۔ تمہاری بھی کوئی بلا ہے؟" یکدم اشتیاق سے پوچھا۔

زینیا کے چہرے کے تاثرات ایک پل میں تبدیل ہوئے۔ عبداللہ کو کی گئی فون کالز، اسکا انکار، اسکا ابا کو رلانا ایک پل میں سب یاد آیا۔ "میرے تصور میں جو بلا ہے وہ صرف تصور نہیں، حقیقی بلا ہے۔" مہدی نے مذید پوچھنا چاہا مگر رک گیا۔ اسکے تاثرات اجازت نہیں دیتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ زینیا وہیں بیٹھی رہی۔ عبداللہ کا ذکر اب اسے ڈسٹرب کر دیتا تھا۔

"مسلمان پہ تین روزہ سوگ جائز ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہیں۔"

حدیبیہ کی آواز پہ وہ مڑا نہیں۔ بس خاموشی سے گلاس وال کے پار شہر کی روشنیاں دیکھ اپنے اندر کے اندھیرے مذید گہرے کرتا رہا۔

"آپ نے جان کر تو کچھ نہیں کیا ناں۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔"

"انسان ان غلطیوں کو اون بھی تو کرتے ہیں۔ وہ سب میری طرح قائر نہیں ہوتے۔" اسکی شیو معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں شب خوابی کی داستان کہتی تھیں۔ قیس کمبیر اداس تھا۔ حدیبیہ کو ملال سا ہوا۔

"آپ بزدل نہیں ہیں۔ آپ بس انسان ہیں۔ بی قیو کی ریلیز کا وقت ہے۔ ایسے میں خود کو اتنے بڑے اسکینڈل میں پھنسا لینا سراسر بے وقوفی ہوتی۔"

"اور ایک انسان جس کو میں نے مار دیا۔ اسکی لاش کو ڈس اؤن کرنا۔ اسکے ورثاء کا علم ہوتے ہوئے بھی اسے لاوارثوں کی طرح دفن ہوتے دینا۔ یہ انصاف تھا؟ اسکا لہجہ ترش ہوا۔ حدیبیہ آگے آئی۔ تن کر اسکے سامنے کھڑی ہوئی۔

"کسی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر روکا ہوا نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو ابھی زینیا حاکم کو فون ملائیں اور اسے بتادیں۔ لیکن آپ نہیں بتائیں گے جانتے ہیں کیوں؟" قیس دھیرے سے پیچھے کو ہوا۔ اسے نہیں سننا تھا۔

"آپ کو کسی قتل سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ وہی ہیں جس نے خالق حسین کو اس خالی فیکٹری میں کتوں کی طرح گلنے سڑنے دیا، آپ وہی ہیں جس نے انسپکٹر فیروز کے سولہ سالہ بیٹے کا کیریئر کھایا۔ اور وہ بھی جس نے اپنے سگے ماموں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ چند منٹ، چند گھنٹے آپ کو برا لگا تھا مگر پھر آپ ٹھیک ہو گئے۔ اور اب . . . اب آپ قتل کی وجہ سے گلٹ میں نہیں ہیں۔ آپ "زینیا" کے شوہر کی قتل کی وجہ سے گلٹ میں ہیں۔۔" اس نے زینیا کے شوہر پہ زور دیا۔

قیس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا۔ "آپ نہیں چاہتے وہ آپ کو برا سمجھے۔ آپ نہیں چاہتے اسکی آنکھوں میں آپ کے لئے بے اعتباری آئے۔ آپ نہیں چاہتے وہ آپ پہ گواپ کرے۔ محل کے مضبوط ستون کو سہارا مل چکا ہے، اور اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔" اعتراف تھا کہ اعلان؟

"ایسا . . کچھ . نہیں ہے۔" اس نے اٹک اٹک کر کہتے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اسے گھبراہٹ ہوئی۔ گلا خشک ہونے لگا۔ "وہ اچھی ہے، سمجھدار ہے۔ مجھے اسکا کام پسند ہے اور بس . . . ہاں اور بس . بس یہی۔" حدیبیہ سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ قیس کو آواز اپنے کانوں میں سنائی دینے لگی۔

"خود کو معاف کریں باس۔" ہمدردی جتائی گئی۔ "آپ نہیں کریں گے تو کوئی نہیں کرے گا۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔ کوئی کسی عام، سمجھدار لڑکی کے لئے گھر کے خفیہ دروازے نہیں کھولتا، اسکے لئے لاکھوں روپے خرچ کے کے اسے مسائل سے نہیں نکالتا، اپنے پاس نوکری کے لئے رکھتے وقت اس سے بس "اپنا" کام نہیں کرواتا۔" قیس کو یوں لگا تھا جیسے اب وہ کبھی سانس نہیں لے پائے گا۔ کیا کوئی اتنی آسانی سے اسکی آنکھیں پڑھ سکتا تھا؟۔

"آپ کے لاشعور میں پہلے دن سے اسکا ایک مقام بن چکا ہے۔ اور یہ غلط نہیں ہے۔" اس نے اپنے الفاظ پہ زور دیا۔

"آپ نے ایک لمبی عمر خود پہ بوجھ ڈالا ہے۔ اگر کوئی بانٹ رہا ہے تو اٹس اوکے۔ آپ نے ایک لمبا عرصہ خود کو ذمہ داریوں، انتقام، بلندیوں کے لئے صرف کیا ہے اگر کوئی آپ کا حصہ دار بن رہا ہے تو اٹس اوکے۔ بنا کہے، بغیر زیادہ ایفرٹس کیئے کوئی آپ کا حال جان لیتا ہے، کسی کو آپ کی اداسی اپ کے غم کی فکر ہے تو اٹس اوکے۔"

قیس دھیرے دھیرے گلاس وال کے سامنے رکھے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ ساکن، صامت۔

"خود کو معاف کریں اور آگے بڑھیں۔ آپ کو اس سے محبت ہے یا نہیں مجھے نہیں پتہ۔ لیکن آپ اسکے ساتھ ساری زندگی گزار سکتے ہیں اتنا آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔"

"وہ شادی شدہ ہے۔" اسکی آواز ہلکی تھی۔ گویا مسئلہ بس یہی تھا۔

"تصیح کریں باس۔ وہ بیوہ ہے۔" قیس نے شاکی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ایک منگنی شدہ مرد کو ایک شادی شدہ عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک بیوہ سے تو ہو سکتی ہے ناں؟"

"میں اس وقت اپنی فیلنگز خود بھی نہیں جانتا اور . . . وہ میرے بارے میں ایسا نہیں سوچتی۔"

"فلحال آپ سوچنا بند کر دیں۔ جو کچھ ہوا ہے اسے بھول کر آگے بڑھیں۔ ایک فریش سٹارٹ۔ سارے گناہ بہت پیچھے اور اب سب اچھا اچھا۔ اوکے؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا میں ایک نارمل زندگی گزار سکتا ہوں؟" اس سوال کے پیچھے محرومیاں تھیں، خواہشیں تھیں، احساس کمتری تھا۔ اگر اسکی آنکھوں میں دیکھو تو دور کہیں ہلکی سی نمی بھی تھی۔ کمبخت کبھی کبھی خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔

"آپ برے نہ بنتے، اگر دنیا آپ کے ساتھ اچھی رہتی۔"

قیس نے آنکھیں بند کر کے گردن صوفے کی پشت پہ گرا دی۔ ایک لمبی مسافت کے بعد ایک ٹھہراؤ اسکا حق تھا۔ وہ ایک فریش سٹارٹ کے لئے تیار تھا۔

"زندگی یوٹرن لے چکی تھی۔"

مرگ کی سی کیفیت جیسے دن کونج کی زندگی کے سب سے بے کار، اذیت ناک دن تھے۔ وہ جو ساری ساری رات کالز، میسجز پہ بات کرتی رہتی تھی اب وہی رات روتے روتے گزر جاتی تھی۔ زندگی نے اسکے ساتھ جو کھیل کھیلا تھا کونج حاکم اس کھیل میں بری طرح ہار گئی تھی۔

اسکی دوستیں، حسیب اسے کالز اور میسجز کرتے رہتے تھے مگر وہ کسی ایک کو جواب نہیں دیتی تھی۔ پچھلے کچھ عرصے سے کال پہ بات کرنے کے لئے وہ اکیلے سوتی تھی مگر اب اسے وہی ایک کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سارا سارا دن وہ دادی کے کمرے میں پڑی رہتی۔ زبان مقفل تھی۔ ہونٹ جامد۔

اسکے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔

"روگ اندر سے انسان کو کھا جاتا ہے۔ قطرہ قطرہ، آہستہ آہستہ۔"

"کونج بچے تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ جس دن سے اس ہوٹل سے آئی ہو تمہارا سکوت ہی نہیں ٹوٹتا۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اماں اسکے قریب بیٹھی تھیں۔ فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔ کونج چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ "کیا کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟" وہ رکیں آس پاس نظر دوڑائی۔ پھر مذید قریب ہو کر بیٹھ گئیں۔ "تم رات کو ضیغم سے بات کرتی تھیں ناں؟ کیا اس نے کچھ کہا ہے؟"

کونج حاکم جہاں کی تہاں رہ گئی۔ اسکی آنکھیں بے یقینی سے پتھرا گئیں۔ کیا اماں جانتی تھیں؟ کیا وہ ادھورا سچ جانتی تھیں؟

"ہم نے زینی کا رشتہ عبداللہ سے کر کے بڑا ظلم کیا تھا۔ تو مجھے لگا اچھا ہے تم ضیغم کو جان لو۔ مجھے کیا پتہ تھا وہ تمہیں ایسے روگ دے دے گا۔" اماں رو پڑی تھیں۔ کونج انکے ساتھ رو پڑی۔ سر انکے سینے پہ ٹکا دیا۔ دل تھا کہ پھٹا جاتا تھا۔ روگ تھا کہ کھوکھلا کئے جاتا تھا۔

اسکے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔

"وکٹمز اپنی کہانی کے سب سے بڑے ولنز ہوتے ہیں۔"

اسکی گم سم سی کیفیت کی وجہ سے ابا اور اماں نے زینیا کو اسلام آباد سے کچھ دن کے لئے بلوا لیا تھا۔ وہ خود بھی گھر کو یاد کر رہی تھی۔ سو فوراً چلی آئی۔ اس وقت وہ اپنے اور کونج کے مشترکہ کمرے میں رکھے پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ سیاہ کرتا شلوار میں ملبوس بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ انگلیاں کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہی تھیں۔ کونج سست روی سے الماری سیٹ کر رہی تھی۔ زینیا کے سامنے اسے نارمل رہنا تھا۔

"کونج ادھر آؤ۔ شیزل نے تصاویر بھیجی ہیں تمہیں دکھاتی ہوں۔" وہ مصروف سی بولی۔ کونج نے کوئی جواب نہ دیا ہاں البتہ مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ کس کیفیت سے گزر رہی تھی اور اس کی بہن بجائے اس سے کچھ پوچھنے کے اسے نارمل لئے ہوئے تھی؟ "براق، شیزل کی فیملی سے ملا ہے یہ دیکھو۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تمہیں نظر نہیں آتا میری کیا حالت ہے؟ میں اس وقت تمہاری دوست کے منگیتر کو نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ کپڑے فرش پہ پھینکتے ہوئے چیخ پڑی۔ "مرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ ہوا ہے اور" . . .

"دھوکے بازوں کے ساتھ دھوکہ ہی ہوا کرتا ہے۔" وہ اسکے چہرے پہ نظریں گاڑ کر بولی۔ کونج تھم گئی۔ "ایک مرد کے دھوکے پہ ڈیڑھ ماہ سے ڈپریشن میں ہو اور تم نے خود کتنے مردوں کو دھوکہ دیا ہے؟" وہ بیڈ سے اتر آئی۔ آنکھیں زخمی شیرنی جیسی تھیں۔ "تم کونج حاکم تم ایک دھوکہ باز عورت ہو۔ تم نے اپنے اعتماد کرنے والے باپ کو دھوکہ دیا۔ تم نے اپنے بھائی کو دھوکہ دیا۔ یہاں تک کہ تم نے اپنے منگیتر کو دھوکا دیا ہے۔ وہ باپ جس نے تمہیں پڑھایا

لکھایا۔گھر میں رکھا تم اسکی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے کسی لڑکے سے معاشقے کر رہی تھیں؟" وہ دھیرے دھیرے قریب آرہی تھی۔کونج الماری کے ساتھ لگ گئی۔آنکھیں شاکی انداز میں پھیلی تھیں۔

"تم دھوکے باز ہو کیونکہ تم نے اپنے خدا کو دھوکا دیا ہے۔حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کو شکایات کا حق نہیں ہوتا۔" . . . . .

"میں نے کوئی حد پار نہیں کی میں تو" . . . اس نے بادقت کہنا چاہا جب زینیا نے سختی سے اسکی بات کاٹی۔

"اچھا تو رات کے دو بجے تک وہ تمہیں نفل پڑھنے کے طریقے بتاتا تھا؟" کونج کا چہرہ مارے اہانت کے سرخ پڑا۔"زنا کی کئی قسمیں ہوتی ہیں مس حاکم۔اور تم ان قسموں میں سے کتنی میں ملوث ہو میں جانتی ہوں۔یہ ہوتا ہے حد سے بڑھنا۔اگر کل تم مر گئیں تو قبر میں خدا سے شکوہ کرو گی؟ کیا شکوہ کرو گی کہ اللہ سائیں ایک نامحرم نے کیوں مجھے دھوکہ دیا؟ یا پھر اللہ کے فرشتے تم سے پوچھیں گے کہ بتاؤ کونج حاکم کیوں کی تم نے اللہ کے احکام سے بغاوت؟ کیوں کیا تم نے زنا؟"

"میں زانی نہیں ہوں۔" وہ حلق کے بل چیخی۔روپڑی۔خوف زدہ ہوئی۔حرام میں پڑے ہر شخص کو ہونا چاہیے۔

"تمھارے کہہ لینے سے کیا ہوتا ہے؟ دین کہتا ہے ہاتھ، کان، آنکھ، زبان، اعضاء کا زنا ہوتا ہے تم دین سے انکار کرو گی؟ یا پھر دین کو دھوکا دینے والی لڑکی اب اس بات کا رونا روئے گی کہ اسے ایک غیر مرد نے دھوکا دیا؟"

"ضیغم میرا منگیتر ہے۔غیر نہیں۔" اسکی آواز ہلکی تھی۔الماری سے لگی پشت سن ہو رہی تھی۔

"اول تو ہاں ضیغم غیر ہے۔منگنی کرنے سے وہ تمہارا شوہر نہیں بن جاتا۔دوئم تمہیں کیا لگتا ہے میں اماں کی طرح بے وقوف ہوں؟ ضیغم ہسپتال والے واقعے کے بعد کئی دنوں سے تم سے بات نہیں کرتا میں جانتی ہوں۔"خوف زائل ہوا۔اب کے کونج کی آنکھوں میں استسفار تھا۔

"تمہیں اس بارے میں کیسے پتہ چلا؟"

زینیا مسکرائی۔ "جب تم مجھ سے جھوٹ بول کر کینٹین کی بجائے اسکن ٹریٹمنٹ کے لئے گئی تھیں تب ضیغم آیا تھا۔اس نے تمہارا پوچھا اور میں نے اسے سچ سچ بتا دیا۔"

کونج شل سی اسے دیکھے گئی۔اسکی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔اسے اپنی زندگی کا دوسرا بڑا شاک لگا تھا۔"تم . . تم . . نے مجھے . . . تم نے مجھے گرانا چاہا؟"

"میں نے تمہیں گرایا؟"اس نے طنز سے ابرو اٹھائے۔"نہ نہ نہ تم گری ہوئی ہو۔کئی سالوں سے۔ " وہ الفاظ کے تھپڑ مارتی اسکا چہرہ سرخ کر رہی تھی۔"۔بلکہ جب سے ہوش سنبھالا تب سے۔"

"تم اٹھا بھی تو سکتی تھیں۔"اس نے روتے ہوئے شکوہ کیا۔

"کوئی گرے ہوؤں کو نہیں اٹھاتا۔ہاں اگر تم اپنی کہنی پہ زور دے کر ایک بازو پہ اٹھنا چاہو تو تمہارا دوسرا بازو میں تھاموں گی۔لیکن میں تمہارا بوجھ نہیں ڈھو سکتی کونج۔کوئی نہیں ڈھو سکتا۔گرے ہوؤں کو خود اٹھنا ہوتا ہے۔اپنے زور بازو پہ۔لیکن کچھ گر چکے لوگوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں وہ کئی سالوں سے لوگوں کا کارپٹ ہیں۔"

وہ آگے آئی۔نرمی اور فکر مندی سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔"تم لکی ہو کونج۔ہر وہ انسان لکی ہے جسے رمائنڈرز ملتے ہیں۔خود کو لپیٹ کر نفاست سے رکھو۔ورنہ کارپٹ ایک وقت بعد کچرے کی زینت بن جایا کرتے ہیں۔"وہ واپس پلنگ پہ اپنی سابقہ جگہ پہ آ کر بیٹھی۔تنفس تیز ہو چکا تھا۔چہرہ سرخ۔

کونج اپنی جگہ پہ کھڑی رہی۔وہ خود کو وکٹم سمجھ رہی تھی مگر وہ تو ولن تھی۔اسکے ساتھ واقعی دھوکا ہوا تھا۔

"چھ ماہ بعد۔"

"چھ ماہ نے اسے اپنی آنکھوں میں دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔یہ چھ ماہ کڑے تھے، کٹھن تھے۔"

کمبیر محل میں ایک بار پھر فساد برپا ہوا تھا۔ کسی بات پہ قیس اور مہدی کے درمیان جھڑپ ہو گئی تھی۔ اور ایک بار پھر سارے گھر کا نزلہ مہدی کمبیر پہ گرا تھا۔ آج کچھ مختلف ہوا تھا۔ آج اسکی رنگت سفید نہ پڑی، گلٹ سے اسکی گردن آج نہ جھکی۔

اس نے میز سے ڈھیر ساری کوکیز اٹھا کر ٹرے میں رکھیں۔ کافی کا مگ اٹھایا۔ ڈرائے فروٹ کا باؤل ہاتھ میں لیا اور چیختے کوستے بختیار کو دیکھا۔

"آپ کا ہو گیا؟ میں جاؤں؟" وہ جو اسکی ماں اور باپ کی شان میں القابات گنوا رہے تھے تھم گئے۔ مقصود انیسہ، قیس کمبیر لاؤنج میں بیٹھے ہر کمبیر نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ کسی کو دیکھے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

یہاں آکر اسکے قدم سست پڑے تھے۔ دنیا سے مقابلہ آسان ہے، خود سے کٹھن۔

دیوار کے ساتھ لگے آئینے میں کھڑے ہو کر اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ سانولی سی رنگت، معمولی نقوش، سیدھے سیاہ بال جو سٹائلش انداز میں کٹے تھے۔ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھا، پر کشش بھی نہیں۔ اگر پیسے کی ریل پیل نہ ہوتی تو وہ ان لوگوں میں سے ہوتا جن کے چہرے ایک نظر کے بعد بھول جائیں۔

مگر اسکی آنکھیں اسکی آنکھوں میں ساری دنیا کا حسن پناہ گزین تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ چند لمحے دیکھتا رہا۔

"میں نے تمھیں معاف کیا مہدی۔" وہ ہولے سے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "تم معصوم ہو۔ تمہاری آنکھیں دنیا کی سب سے حسین آنکھیں ہیں۔"

وہ خود سے بہت کچھ کہتا رہا۔ پورے چھ ماہ اس نے یونہی خود سے بہت کچھ کہا تھا۔ چھ ماہ اس نے اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی مشق کی تھی۔

"چھ ماہ اس نے ہر طرح سے خوش رہنے کی کوشش کی تھی۔ چھ ماہ میں وہ سب ملا جس کی اس نے خواہش کی مگر نہ ملا تو سکون۔"

وہ مہدی کے ساتھ پارک کی سڑک پہ واک کر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی دھوپ آسمان کا سینہ چیرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔ اور اسی دھوپ میں زینیا کی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھیں۔

"مجھے لگا تھا اس روز آفس میں ہونے والی میری باتوں کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ لیکن آپ تو اچھے آدمی نکلے۔" مہدی ہلکا سا مسکرایا۔

"مریضوں سے ناراض نہیں ہوا جاتا۔" زینیا چلتے چلتے رک گئی۔ استہفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اگر خود کو معاف نہیں کرتا تو تم لوگوں کو معاف نہیں کرتیں۔ میں اگر کارپٹ ہوں تو تم سخت دیوار۔ جس سے جتنا سر پھوڑ لو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"کم از کم میں خود کو تو تکلیف نہیں دیتی۔"

"دیتی ہو۔ مانو یا نہ مانو مگر تم دیتی ہو۔ جو لوگ معاف کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں انکی زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ جو معاف نہیں کرتے وہ کڑھتے رہتے ہیں، دل میں بغض پالے رہتے ہیں۔ اور اپنے قریبی لوگوں کو کھو دیتے ہیں۔" وہ آگے آیا۔ زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم سے ناراض نہیں ہو سکتا، تم پہ ترس آتا ہے۔"

وہ کہہ کر آگے چلنے لگا۔ مگر زینیا حاکم کی زندگی ایک جگہ رک گئی تھی۔

وہ مہنگے ریستوران میں کھانا کھا رہی تھی۔ مگر وہ مزہ نہ آیا جو بشر اور کونج کے ساتھ ایک چھوٹے ڈھابے پہ آیا کرتا تھا۔

اسے قیسم کی پہلی تنخواہ ملی، مگر وہ اتنی خوش نہ ہوئی جتنی ابا کے پیسے دینے پہ ہوتی تھی۔

ہائی ہیلز، بیگز اور جیولری خریدتے وقت اسکا دل خالی تھا۔ کیونکہ اسکا دل بھاری تھا۔ ان رویوں کے بوجھ سے جنہیں وہ دل سے ہٹا نہ سکی تھی۔

اسے نئی زندگی نہ بھائی، کیونکہ وہ پرانی کے انتقام دل میں لئے ہوئے تھی۔ چھ ماہ اس نے اسٹر گل میں گزار دیئے تھے۔ چھ ماہ زینیا حاکم سکون سے نہ رہ سکی تھی۔

"یہ چھ ماہ اس نے اپنی عادت کے بر خلاف کام کئے تھے۔ یہ چھ ماہ وہ ایک مختلف انسان بنا رہا۔ مگر مکھٹ ایک دن اتر جایا کرتے ہیں۔"

قیس کمبیر اس ایکسیڈنٹ کے بعد بدل چکا تھا۔ زینیا حاکم کے ساتھ اسکا وقت زیادہ گزرنے لگا تھا۔ وہ پارک میں ہر روز دانستا اسکے جانے کے وقت جاتا۔ وہ ایک ہی جاگنگ ٹریک پہ گھنٹوں بھاگتے رہتے۔ بولتے رہتے۔ وہ اسکی ہر بات مان جایا کرتا تھا۔

آفس میں اسکے مشورے مانتا، کئی بار اسے مختلف قسم کی بحث میں الجھا دیتا۔ کسی ایک بات کو کھینچ کر لمبا لمبا لیکچر سنتا۔ جہاں اسکی ضرورت بھی نہ ہو وہاں وہ زینیا حاکم کا کام نکال لیا کرتا تھا۔ جب وہ بولتی تھی قیس کو اچھا لگتا تھا۔ جب وہ غصہ ہوتی تھی اسے مزہ آتا تھا۔ مگر وہ جب ناراض ہوتی تھی تب دنیا غیر ہونے لگتی تھی۔ اسے اچھا لگتا تھا گھنٹوں اسے کسی بحث میں الجھا دینا، اور پھر اسے تکتے رہنا۔ اسے غصہ دلانا اور پھر اسکے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنا۔ چھ ماہ میں وہ زینیا حاکم کے ہر ہر تاثر کو حفظ کر چکا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ اسے کسی صورت ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی صورت اسے اداس پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم از کم اپنی وجہ سے نہیں۔ غلطیوں کے کفارے کرتے کرتے کب وہ اسکے قریب ہوا پتہ نہ چل سکا، کب ان دونوں کے درمیان دوستی ہوئی اسے اندازہ نہ ہو سکا۔

اسے بس اتنا معلوم تھا وہ زینیا کے ساتھ ہے۔ ہر پریشانی میں، ہر مشکل وقت میں، ہر اداس گھڑی میں۔ کیوں؟ کیونکہ اسے کفارہ ادا کرنا تھا۔ یہ تسلی وہ خود کو دیتا تھا۔ مگر تمہارا کیا خیال ہے؟

چھ ماہ ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔اس عرصے میں انسان ہیل بھی ہوتا ہے،اور بسمل بھی رہ سکتا ہے۔لیکن اس کہانی کے کسی کردار نے اپنی ہیلنگ کا سفر شروع نہیں کیا تھا۔کچھ بسمل ہوتے ہیں،جو وقت لیتے ہیں۔وقت لینا برا نہیں ہوتا۔وقت مرہم ہوتا ہے۔

چھ ماہ کے قصے ادھار رہے۔اس وقت کہانی کا مرکز کمبیر محل کا لان ہے۔جہاں بی قیو کی شاندار اور تاریخی کامیابی کا جشن منایا جارہا تھا۔اپنی ریلیز کے پہلے ہی ماہ میں بی قیو "sold out" ہو چکا تھا۔یہ ناقابل یقین تھا۔کئی بار کامیابیاں بے یقین ہوتی ہیں۔لان میں قطار در قطار میزیں سجی تھیں۔مدھم موسیقی ہر اور اپنی چھاپ چھوڑ رہی تھی۔

ہاتھوں میں جوس کے گلاس، کھانے کی پلیٹ لئے لوگ یہاں سے وہاں کھڑے گپے ہانک رہے تھے۔کیک کاٹا جا چکا تھا۔اور اب ملازم وہی سرو کرتے نظر آرہے تھے۔جنہیں سرو کیا جارہا تھا انکی اور چلتے ہیں۔

سیاہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوٹی لمبی فراک، کے ساتھ چوڑی دار پجامے میں ملبوس زینیا حاکم نے مسکراتے ہوئے پلیٹ تھامی۔اسکی رنگت مذید نکھر گئی تھی۔بال لمبے ہو گئے تھے۔اور آنکھوں کی چمک کے ساتھ ذات کا وقار بھی بڑھ گیا تھا۔سرخ رنگ کا دوپٹہ سر پہ لئے،جب وہ ٹھہر کر کسی سے بات کرتی تھی تو اسکے لہجے میں اعتماد جھلکتا تھا۔

وہ تھوڑی دیر قبل ہی آئی تھی۔اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔قیس کا ڈپریشن شوٹ، سمندر پہ مسکراتی تصاویر،بی قیو کی وائرل سنیک پیک۔اور فیصل آباد میں موجود ٹیکسٹائل فیکٹریز میں کام کرتے لوگوں کی ویڈیو اور تصاویر نے اسے خاصا مشہور کر رکھا تھا۔وہ سوشل میڈیا پہ اپنی تصاویر پوسٹ نہیں کرتی تھی،اپنے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی تب ہی لوگوں کا اسے جاننے کا تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

پارٹی کی طرف واپس آؤتو زینیا اب اکیلی کھڑی تھی۔جب کوئی سامنے سے مسکراتا ہوا اسکی طرف آنے لگا۔جواباوہ بھی مسکرائی۔سیاہ آنکھیں اور سنہری آنکھیں شناسائی کی کئی منزلیں پار کر چکی تھیں۔

"فائنلی تم کمبیر محل میں نارمل طریقے سے آئی ہو۔"ایش گرے تھری پیس سوٹ والا آدمی بازو سینے پہ باندھ کر اسکے سامنے آکر رکا۔

زینیا نے نزاکت سے آنکھیں گھمائیں۔"تمہیں لگتا ہے کمبیر محل میں نارمل طریقے سے آسکتی ہوں میں؟شیزل کے ساتھ آئی تھی میں اور دروازے پہ ہی براق اور اسکا جھگڑا ہو گیا۔وہ چاہتا تھا میں اسکی سائیڈ لوں کیونکہ اس نے ایک بار مجھے نوکری دی تھی۔اور شیزل کی سائیڈ تو مجھے لینی ہی تھی۔"

قیس مسکرایا۔"قصور کس کا تھا؟"

"تمھارے نزدیک شیزل کا کیونکہ تم زن بیزار ہو۔"وہ رکی آس پاس دیکھا۔اور پھر رازداری سے آگے کو ہوئی۔"اور میرے نزدیک بھی شیزل کا۔جان بوجھ کر اس بیچارے کو تپاتی ہے۔"

"اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو دونوں کا بریک اپ کروا چکا ہوتا۔آہ مزہ آتا۔"اسے وہاں موجود نہ ہونے کا تاسف ہوا۔زینیا نے افسوس سے نفی میں گردن ہلائی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تمہارا نام قیس غلط ہے۔فتنہ دوست کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

قیس نے سوچنے کے انداز میں انگلی ٹھوڑی پہ رکھی۔"یہ بھی مجھے مکمل ڈیفائن نہیں کرتا۔آہ دنیا میں شیطانوں کی لئے ناموں کی کتنی کمی ہے ناں؟"

زینیا نے افسوس سے اسے دیکھا۔قیس مسکرایا۔اور سنجیدہ ہوا۔"پارٹی کیسی لگی؟"

وہ آس پاس دیکھنے لگی تھی۔

"اسلام آباد میں مجھے ایک سال ہونے والا ہے۔ اب تو پارٹی اور جنازے ایک ہی لگتے ہیں۔ بورنگ۔" وہ رکی۔ قیس کو دیکھا۔ "تمہیں اسلام آباد کیسا لگتا ہے؟"

"مجھے یہ شہر اپنے جیسا لگتا ہے۔ سرد، سفاک، خاموش" . . . . .

"بورنگ؟" اس نے اضافہ کیا۔

"بورنگ تو نہیں ہے۔" اسلام آبادی کی اپنے شہر سے محبت جاگ گئی۔

"تمہیں اسلام آباد کبھی بورنگ نہیں لگا؟"

قیس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے نفاست سے کیک کھاتی لڑکی کو دیکھا۔ آنکھوں میں پرستان کا سارا سحر آن ٹھہرا۔

"اب نہیں لگتا۔" اسکے چہرے پہ نظریں جمائے اس نے تین لفظ کہے۔ بس تین لفظ۔ کیا اسکی جانب سے یہ تین لفظ کم تھے؟

"اب کونسے سرخاب کے پر لگ گئے اس شہر کو؟"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"پیروں کے نیچے زمین کوئی بھی رہے اس زمین پہ کھڑے وجود کا دل خوش ہونا چاہیے۔ پنڈی بھی پیرس لگنے لگتا ہے۔"

زینیا اسکی آخری بات پہ ہنس پڑی تھی۔ قیس رک کر مزید بات کرتا کہ اسے مہمانوں میں سے کسی نے بلایا۔ "ایکسکیوزمی" کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ زینیا بھی اس جگہ سے ذرا فاصلے پہ اپنی ایک کولیگ کے ساتھ آن ٹھہری۔ تھوڑی دیر وہ اسی سے بات کرتی رہی۔

اسی پل کوئی اسکے عقب میں آ کر رکا۔ زینیا جو نتاشا سے بات کر رہی تھی مسکرائی۔ اب وہ مہدی کمبیر کو اسکے قدموں کی چاپ سے پہچان لیا کرتی تھی بتایا ناں چھ ماہ میں بہت کچھ ہوا تھا۔۔ نتاشا سے معذرت کر کے وہ مہدی کی طرف مڑی۔ سبز آنکھیں، سنہری آنکھوں سے ٹکرائیں۔ ہر اور روشنی سی منعکس ہونے لگی۔

"اگر تم نے اتنا ہی خوبصورت لگنا ہوتا ہے تو پہلے ٹرگر وارننگ دیا کرو۔"

"زیادہ ہو گیا نہیں؟" زینیا مسکرائی۔

"زیادہ کہاں، آپ کے لئے تو دیوان لکھے جا سکتے ہیں سرکار۔" سیاہ شلوار قمیض والے مرد نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر تعریف کی۔

"اول تو یہ فلرٹ کسی اور کے ساتھ کریں۔ دوئم مجھے سرکار مت کہا کریں۔" اس نے کیک کا چمچہ بھرا۔ اور منہ تک لے گئی۔ پلیٹ خالی ہونے لگی تھی۔

"پھر ڈائن کہا کروں؟ چڑیل؟ خبطی؟ میرے پاس بہت بڑی ورائٹی ہے۔ بس آپ کے منتخب کرنے کی دیر ہے۔" وہ کیک کی پلیٹ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا۔ چکھا اب تک نہیں۔ اسے معلوم تھا یہ زینیا کا فیورٹ فلیور ہے۔ وہ اپنا حصہ کھا کر ، اسکا حصہ بھی کھائے گی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بہت ورائٹی آ گئی ہے آپ کے پاس لڑکیوں کے نک نیمز کی؟ کن چکروں میں ہیں آج کل؟ کس چڑیل اور خبطی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے؟" مہدی کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہو گیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو میں شریف آدمی ہوں۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میری یادداشت میں تو وہ مہدی ہے جو مجھے بلانے کے لئے میرے کمرے کی بالکنی میں پتھر پھینک رہا تھا۔" مہدی خفیف سا ہو کر مسکرایا۔

"مہدی کا فلٹر فری ورژن بس زینیا حاکم کے لئے ہے۔" وہ جتا کر بولا۔ زینیا کی مسکراہٹ سمٹی۔ مہدی کو بھی الفاظ کا احساس ہوا۔

"میرا مطلب ہے باقی لڑکیاں میری کال، میسجز فوراً دیکھ لیتی ہیں۔ سارے جتن تمھارے لئے کرنے ہوتے ہیں۔" اس نے بات سنبھالنی چاہی۔ ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے اسے گھیر لیا تھا۔ زینیا خاموشی سے کیک کھانے لگی تھی۔

مہمانوں میں گھرے کھڑے قیس کمبیر کی نظریں لان کی دائیں طرف گئیں۔ وہ جو اپنے ساتھی ڈیزائنر کی بات پہ مسکرا رہا تھا۔ یکدم اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔ مہدی کمبیر زینیا حاکم کو اپنی کیک کی پلیٹ تھما رہا تھا۔ اور زینیا نے بلا تردد پلیٹ تھام لی تھی۔ نظروں کے ارتکاز پہ زینیا نے مڑ کر دیکھا۔ قیس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ انداز میں ناپسندیدگی تھی۔

"بالاج کا کوئی رابطہ ہوا؟" مہدی کا انداز محتاط سا تھا۔ زینیا کے تاثرات بدل گئے۔ نارمل سے اب وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"مجھے اسکی طرف سے کوئی کال نہیں آئی۔ اسکے اور میرے گھر والے الگ سے پریشان ہیں۔ بلکہ اسکے گھر والے مجھے کوس رہے ہیں۔ انکو لگتا ہے میں منحوس ہوں۔ واٹ ایور۔"

اپنا بیٹا چاہے چاند پہ لگی کالک ہو۔ قصور ہمیشہ بہو کا نکالا جائے گا۔" وہ اس انداز سے بولا کہ زینیا ہنس پڑی۔

زینیا مہدی کی کسی بات پہ ہنسی تھی۔ قیس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ دل کو ایک انجانے سے خوف نے گھیرا تھا۔ اسے یہ مسکراہٹ زہر لگی۔ اسے زینیا کے ساتھ کھڑے اس آدمی سے نفرت ہوئی۔

"اسے جانے دیں۔ مجھے یہ بتائیں آپ کے تجسس کا کیا حال ہے؟ آج تو پارٹی میں بھی نظر نہیں آ رہی۔" اسکا اشارہ انیسہ کی طرف تھا۔

مہدی نے کندھے اچکائے۔ "ناراض ہے قیس سے۔" لاپرواہی سے کہتے اسکی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ "تم میرے گھر کے معملات میں کچھ زیادہ انٹرسٹ نہیں لینے لگیں؟"

"کیا کریں سرکار کرنے کو کوئی اور کام جو نہیں ہے۔" مہدی نے آنکھیں گھمائیں۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ "واٹ ایور" اسی پل زینیا نے ایک بار پھر قیس کو دیکھا۔ اسکے ساتھ کھڑے لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بات درمیان میں بھول گیا تھا۔

"کیا وہ آپ کو پسند نہیں کرتا؟" زینیا کی بات پہ مہدی چونکا تھا۔ "قیس آپ کو پسند نہیں کرتا؟" مہدی ایک پل کے لئے شل سا ہو گیا۔ وضاحت کے لئے زینیا کو تکتا رہا۔

"وہ کب سے اسی طرف دیکھ رہا ہے۔ بار بار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا ہے۔ ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کر رہا ہے۔ کسی سے بات کرتے ہوئے بات بھول رہا ہے۔ اور وہ بے چین ہے۔ اسکی آنکھیں دیکھیں۔" مہدی نے گردن موڑ کر قیس کو دیکھا۔ وہ بغیر پلک جھپکے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ایسا ہر بار نہیں ہوتا۔ کیا وہ آپ کو ناپسند کرتا ہے؟" وہ سرسری سا کہہ کر کیک کھانے لگی۔ مہدی کو سانس لینے میں دقت سی ہوئی تھی۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ قیسم کے سارے ملازمین کو چھوڑ وہ مہدی کے زینیا کے پاس کھڑے ہونے پہ بے چین کیوں ہوا تھا؟

ہاں مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ سوال یہ تھا کیا وہ زینیا کو پسند کرتا ہے؟ اور مہدی کمبیر اس سوال کا جواب نہیں جاننا چاہتا تھا۔ جانے کیوں مگر وہ واقعی نہیں جاننا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد سارے مہمان لان کے عقبی حصے میں جمع ہو چکے تھے۔ قہقہے، رونقیں، خوشبوئیں تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ قطار در قطار کرسیاں لگی تھیں اور پہلی صف میں ایش گرے سوٹ والا قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سامنے اسٹیج پہ کھڑے مائیک تھامے قیسم کے ملازمین کو بولتے ہوئے سن رہا

تھا۔ یہ ہر کامیاب پراجیکٹ کے بعد ہوتا تھا۔ قیس کمبیر ایک گیدرنگ رکھتا تھا۔ کھانا، رنگ، خوشبو، میٹھا اور "تجربہ" بیان کرنے کو وہ ہوتا تھا جو اس وقت اسٹیج پہ جاری تھا۔ ہر ڈیزائنر مائیک تھامے قیس کی برائی اور اچھائی بیان کرتا۔ اسکا زچ کرنا، اسکے موڈ سوئنگز بتاتا۔ اور اپنا دل ہلکا کرتا۔ قیس ہر دفع یہ سارے شکوے اور محبت مسکرا کر سنتا تھا۔ آج انداز مختلف تھا۔ جانے کیا، جانے کیوں کچھ بے حد برا لگ رہا تھا۔

"تمہاری باری آنے والی ہے سیورس تیار ہو؟" اسکے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی زینیا نے سوال کیا۔ جواب ندارد۔ زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ آنکھیں پر سوچ ہوئیں۔ چھ ماہ میں زینیا قیس کو بے حد اچھے سے جان چکی تھی۔ "کیا تم نروس ہو؟"

"تمہیں نظر نہیں آرہا میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا؟" پس منظر کی کئی آوازوں کے درمیان اسکی آواز مختلف تھی۔ سخت۔ بے لچک۔

زینیا کے تو سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ "پیروں میں گر کر اپنا قصور تو میں بھی نہیں پوچھنے لگی۔"

"ظاہر ہے اگر مہدی کمبیر سے ملنے کے بعد تم ایسا نہ کرتیں تو مجھے حیرت ہوتی۔ ویسے کیا کیا زہر اگلا اس نے میرے بارے میں؟ اس نے تمہیں میرے خلاف کیا ہوگا کانا؟ اس نے کہا ہوگا میں پاگل ہوں۔ کرپٹ ہوں۔ ہر ایک سے لڑتا جھگڑتا ہوں۔" آس پاس سے بے نیاز وہ رخ پوری طرح زینیا کی طرف موڑے ہوئے تھا۔ الفاظ سخت تھے لہجہ بدلا ہوا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زینیا کو حیرتوں کے شدید جھٹکے لگے۔ چھ ماہ ایک بلبلے کی طرح غائب ہوئے یہ آدمی تو کوئی اور تھا۔ "مہدی ایسے نہیں ہیں قیس۔ انہوں نے تمھارے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔"

"انہوں نے؟ ایسے نہیں ہیں؟" قیس نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "اتنے گہرے مراسم ہوگئے تمھارے اسکے ساتھ؟ لگتا ہی کیا ہے وہ تمہارا؟"

زینیا کے جی میں آیا تھا کہ اسکا سر پھاڑ دے۔ مگر اس نے ضبط کیا۔ گہری سانس لی۔ اور نارمل رہنے کی کوشش کی۔ "آپ اسے پسند نہیں کرتے۔؟" زینیا کو اسکے غصے اور بے چینی سے یہی اخذ کر سکی۔

قیس چند پل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ آنکھیں سخت ہوئیں۔ تاثرات میں تنفر بھر گیا۔ پھر رخ موڑ لیا۔

"میں مہدی کمبیر سے نفرت کرتا ہوں۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ "مجھ اسکی موجودگی، اسکی ذات اسکی existence سے نفرت ہے۔ جس دن اسکا قتل ہوا قیس کمبیر کے ہاتھوں ہو گا۔" وہ پھنکار کر پیچھے ہوا۔ زینیا بادقت سانس لے سکی۔ اسے مہدی کمبیر کے لئے برا لگا تھا۔

"اگر آئندہ وہ مجھے میرے لوگوں کے قریب نظر آیا تو میں اسکے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا۔" یہ الفاظ اس نے سامنے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے کہے تھے۔ تاثرات یکدم بدل کر سنجیدہ اور بے نیاز ہو چکے تھے۔

"تمھارے لوگ مطلب؟" اب کے زینیا کا لہجہ بدلا تھا۔ اسے قیس کا انداز کھٹکا تھا۔ کیا وہ اسکے اور اپنے گرد باؤنڈری نہیں بنا سکی؟

ایک لمحے کے اندر اندر قیس کمبیر کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ لمحے بھر کو اسے احساس ہوا وہ کیا کہہ بیٹھا تھا۔ "میرا مطلب تھا . . . قیسم۔ . . قیسم کے ملازمین۔ قیسم میرا ہے اور وہاں کام کرنے والے لوگ میرے لوگ ہیں۔ مہدی کو میرے کاروبار سے دور رہنا ہے۔"

زینیا چپ ہو گئی۔ جواب نہ دیا۔ ہاں البتہ دل سے وہ ایک فیصد شک بھی دور ہو گیا تھا کہ انکے درمیان حدود ٹوٹی تھیں۔ کافی دیر تک ڈیزائنرز آتے گئے اور کہتے رہے۔

"موڈ ٹھیک کر لو۔ تمہاری باری آنے والی ہے۔" پچھلے چند منٹ کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ اب وہ نرم، نارمل تھی۔

"چھ ماہ میں تم یہ نہیں جان سکیں کہ میرا موڈ ٹھیک یا خراب ہونا میرے بس میں نہیں ہے؟" وہ ناراض ہوتا تھا تو نروٹھے بچے کی طرح طعنے دیتا تھا۔ اسکا ناراض ہونا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے منانا مسئلہ تھا۔

"میں نہیں جان سکتی کیونکہ تم layered ہو ہر دفع کچھ نیا۔ کوئی الگ سائیڈ دیکھنے کو ملتی ہے۔" زاراڈارا سٹیج پہ قیس کی نقل اتار رہی تھی۔ آس پاس قہقہے گونجنے لگے۔ تالیاں پیٹی گئیں۔

"کیا تم layered نہیں ہو؟ لیکن میں تو تمہیں جان گیا ہوں۔ اگر اس وقت تمہارا موڈ خراب ہوتا تو کم از کم میں یہ نہ کہہ رہا ہوتا کہ " موڈ ٹھیک کر لو زینیا حاکم۔" وہ دوبدو کہہ رہا تھا۔ بحث شروع تو کروا سکے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ چہرے پہ اب بھی نروٹھا پن تھا۔ زینیا کو کبھی کبھی وہ بتیس سالہ مرد نہیں، دو سال کا بچہ لگتا تھا۔

"تو پھر تم کیا کہتے؟" زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔ قیس نے نگاہوں کا رخ ترچھا کر کے اسے دیکھا۔

"جن لوگوں نے تمہارا موڈ خراب کیا ہوتا میں تمھارے ساتھ مل کر انکو دو گالیاں اور دیتا۔"

زینیا ہنس پڑی۔ وہ واقعی ایسا کرتی۔ اور اگر قیس اسکا ساتھ دیتا تو مزہ آجاتا۔ چھ ماہ وہ صرف اسکا باس، پڑوسی نہیں رہا تھا۔ ان چھ ماہ میں دوستی بھی ہوئی تھی۔ شیزل کے بعد زینیا کی دوسری دوستی۔ مہدی دوست سے بڑھ کر تھا۔ یا پھر شاید کوئی اور۔ اسکے لئے دوستی لفظ چھوٹا تھا۔

"ایک گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔" زینیا نے ابھی بات شروع ہی کی تھی قیس کے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے۔

"ڈونٹ یو ڈیئر۔" اس نے دھمکی دی۔ مگر وہ جانتا تھا اثر نہیں کرے گی۔

"وہ اپنی حالت سے بڑا تنگ تھا ایک دن وہ ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں روز رات کو ایک ہی خواب دیکھتا ہوں۔ اور اس میں گدھے فٹبال کھیل رہے ہوتے ہیں۔"

وہ ناراض مگر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ زینیا کہتی رہی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "اچھا میں تمہیں ایک دوائی دیتا ہوں وہ کھا لینا۔ پھر ایسا خواب نہیں آئے گا۔"

آدمی نے کہا۔ ”میں یہ دوائی کل نہ کھالوں۔“ اسٹیج پہ اسکے نام کی پکار ہوئی تھی۔ سنجیدہ تاثرات مسکراہٹ میں ڈھل چکے تھے۔

ڈاکٹر نے پوچھا کیوں؟ تو مریض کہنے لگا۔

”اصل میں آج انکا فائنل ہے۔ بیچاروں نے بہت محنت کی ہوگی دیکھ نہ لوں؟“ وہ ہنس پڑا تھا۔ گردن نیچے جھکا کر ہنس پڑا۔ آنکھوں کی سختی غائب ہوئی۔ بھینچے ہوئے جبڑے کھل گئے۔ اور وہ ہنستا چلا گیا۔ ہر ایک کو لگتا تھا وہ اسٹیج پہ اسکی نقل اتارتی لڑکی پہ ہنس رہا ہے مگر وجہ کوئی اور تھی۔ روشنیوں کا رخ اسکی طرف ہوا، نظریں ستائش اسکی طرف اور وہ ہنس رہا تھا۔

”تم جاؤ گے گدھوں کا فائنل دیکھنے؟“ زینیا مسکراہٹ دبا کر بولی۔ اور قیس کے ہنسنے میں اضافہ ہو گیا۔ اب وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھے گردن صوفے کی پشت پہ پھینک کر ہنس رہا تھا۔ کیمرا زکا رخ اسی کی طرف ہوا۔ اسٹیج پہ کھڑی لڑکی زور و شور سے اسکی نقل اتارنے لگی تھی۔

ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔ تیسری صف میں بیٹھا مہدی کمبیر مسکرایا تک نہیں۔ اسے قیس کی مسکراہٹ سے خوف آیا تھا۔ اسے آنکھوں کی اس بے فکری سے خوف آیا تھا۔ اسے زینیا کی اسکے ساتھ موجودگی سے خوف آیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اسے قیس ہنستے ہوئے برا لگا تھا۔ مہدی کمبیر کو آج خود سے خوف آیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

تقریب ختم ہونے کو تھی۔رات کے سوا دو بج رہے تھے جب زینیا حاکم اور شیزل نے واپس جانے کی تیاری کی۔وہ جلدی جانے والی تھی مگر براق شیزل کو اپنے ساتھ لئے ایک ایک جاننے والے سے ملوا رہا تھا۔زینیا کوفت زدہ سی اسکی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔مہدی کمبیر تو لوگوں کے نرغے میں پھنس جاتا تھا۔

چند پل بعد وہ جوس کا گلاس ہاتھوں میں لئے بور رہی تھی۔جب آواز پہ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔محل کے داخلی دروازے سے نکلتے مقصود کمبیر ایک ملازم پہ برس رہے تھے۔فلحال کوئی انکی طرف متوجہ نہ تھا۔زینیا آگے بڑھ آئی۔ملازم اب جا رہا تھا۔مقصود اسے اچھا خاصا جھڑک چکے تھے۔منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتے وہ اپنی وہیل چیئر کا بٹن دباتے آگے بڑھنے لگے جب انہیں وہیل چیئر رکتی محسوس ہوئی۔بٹن دبا کر اسے روکنے والی زینیا حاکم تھی۔مقصود نے ٹھنڈی برف نظروں سے اسے دیکھا۔

زینیا کی نظریں بھی کچھ مختلف نہ تھیں۔کنا کھیوں سے اس نے زمین کی جانب اشارہ کیا۔گھاس کے ٹکڑے پہ مقصود کمبیر کا چشمہ گرا ہوا تھا۔

"میں اٹھا کر مسیحا بنوں یا آپ اپنی طاقت آزمائیں گے؟"

مقصود جھکے،اور ہاتھ بڑھا کر چشمہ اٹھالیا۔"میں لوگوں پہ ڈیپینڈ نہیں کرتا۔"انہوں نے چشمہ اٹھا کر اسے صاف کیا اور عقیدت سے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا۔

"تمہیں کیسے معلوم یہ میرا چشمہ ہے۔اور اگر ہے تو تم کوئی مسیحا نہیں جو بچالو۔"زینیا نے بغیر کچھ کہے عقب سے وہیل چیئر کو تھاما۔اور اسے آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگی۔زندگی میں پہلی بار انہوں نے اعتراض نہیں کیا تھا۔

"قیسم میں جب یہ چشمہ نیچے گرا تھا تب اسکا برانڈ دیکھا تھا۔وہ چشمہ آپ کا نہیں ہے ناں؟"زینیا نے قیاس لگایا یا دعوی کیا اندازہ نہ ہو سکا۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"یہ چشمہ جس برانڈ کا ہے وہ انیس سو ساٹھ میں متعارف ہوا تھا۔ اسے بنانے والے دو بھائی تھے۔ چند سالوں کے اندر اندر یہ برانڈ پوری دنیا میں مشہور ہو گیا۔ اور ڈھیروں ڈھیر چشمے بکنے لگے۔" وہ وہیل چیئر کو ایک طرف لگے صوفوں کی طرف لے آئی۔ "اور پھر کچھ عرصے بعد وہ دونوں بھائی اپنے اپارٹمنٹ میں ایک پر سرار موت مارے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انکے کاروباری شریک حاسد نکلے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں دماغی عارضے کا شکار تھے۔" اس نے پاس سے گزرتے ویٹر سے دو گلاس جوس کے لئے اور پھر خود ایک صوفے پہ آ کر بیٹھی۔ مقصود کمبیر سامنے وہیل چیئر پہ تھے۔ ایک گلاس انکو تھمایا اور بات جاری رکھی۔

"یہ چشمہ جو آپ کے پاس ہے یہ انکا آخری ڈیزائن تھا۔ صرف ڈیڑھ سو ڈیزائنز تھے۔ اور بتایا جاتا ہے کہ انہیں لینے والے تمام افراد اتفاق سے عمر رسیدہ تھے۔ سو یہ آپ کا چشمہ نہیں ہے۔ most probably آپ کے فادر کا؟" اس نے جوس کا گھونٹ بھرا۔ پھر جیسے یاد آنے پہ بولی۔

"ایک اور بات آپ اسے چھونے کی اجازت کسی کو نہیں دیتے۔ اسے دیکھتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں ایک sparkle سا ہوتا ہے۔ یہ آپ کے فادر کا چشمہ ہے ناں؟" اس نے دہرایا۔

مقصود نے رخ پھیر لیا اب وہ ذرا فاصلے پہ کھڑے قیس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کسی مہمان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ "ہاں یہ میرے ابا کی عینک ہے۔" انکی آواز ہلکی تھی۔ "وہ اسے کسی ملازم کو چھونے نہیں دیتے تھے سو میں بھی نہیں دیتا۔"

زینیا نے سر ہلایا۔ کافی دیر تک وہ یونہی گردن موڑے مہمانوں کو دیکھتے رہے۔

"تم نے مجھ پہ اچھی خاصی ریسرچ کی۔ اسکی کوئی خاص وجہ؟"

"آپ مجھ اپنے جیسے لگتے ہیں۔ اور کسی اپنے کی یاد بھی دلاتے ہیں۔" کئی ماہ سے دل میں رکھی بات کہہ ڈالی۔

"کس کی؟" انہوں نے رخ نہیں موڑا۔

"کوئی ایسا جو بہت قریبی ہے مگر اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔" اب وہ بھی انکی نظروں کی تقلید میں دیکھنے لگی۔ مگر قیس کو نہیں اس سے ذرا فاصلے پہ کھڑے مہدی کو۔ وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر باتیں کر رہا تھا۔ زینیا جانتی تھی اب وہ کیسے اشارے کرے گا، کیسے ہاتھوں کو حرکت دے گا۔ اسلام آباد میں وہ بس اسی شخص کو تو جانتی تھی۔

"سوری میں اس جذباتی تقریر کے بعد بھی تمہیں گود نہیں لے رہا۔" وہ گردن موڑے بغیر بولے۔ زینیا مسکرائی۔

"میرا باپ آپ جیسا باپ ہوتا تو میں خود کو پھانسی لگانا پسند کرتی۔"

"میں ایک اچھا باپ بنتا۔" ایک لمحے کو وہ مختلف انسان لگے تھے۔ بلکل مختلف۔

ان کی آنکھوں کی آگے منظر کوئی اور تھا۔ انکی بیوی حاملہ تھیں۔ وہ مقصود کا ہاتھ معدے سے نیچے رکھ رہی تھیں۔ ایک نئی زندگی۔ وہ مسکرائے تھے۔ کرخت تاثرات میں دراڈ پڑی تھی۔ دل میں ایک نرمی نے جگہ لی۔ اس دن انہوں نے ایک بہترین باپ بننے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر وہ ماضی تھا۔ حال میں وہ مسکرانا بھول چکے تھے۔ زینیا چپ رہی۔

"جیسے کہ تم اچھی بیٹی ہو۔" زینیا لب کاٹ کر رہ گئی۔ مقصود نے اسکے تاثرات جانچے۔ "تم ایک اچھی پیرنٹ بننا، ایک اچھے مرد سے شادی کرنا۔ اس بار اپنے باپ کی مت ماننا۔"

زینیا نے شاکی آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "میرے ابا اچھے آدمی ہیں۔"

"اچھے آدمی کی بیٹیاں سڑک پہ اپنے سابقہ شوہر سے ہراساں نہیں ہوتیں۔" زینیا برف سی ہو گئی۔ "اگر وہ تمھارے عقب میں کھڑا رہتا تو کسی مرد کی جرات نہیں تھی وہ تمھارے سامنے ٹھہر سکتا۔ عورت مانے یا نہ مانے۔ گھر کا مرد ٹیک ہوتا ہے، بازو ہوتا ہے۔"

زینیا خاموش ہو گئی۔ دل میں حزن سا آن ٹھہرا۔ دل پہ ڈھیر سارے آنسو گرے اور سوراخ بنتے گئے۔ محرومیوں کے، شکوؤں کے۔

"اس خبیث آدمی کا کیا ہوا؟ دوبارہ آیا تھا؟" تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولے۔

زینیا نے گہری سانس لی۔ "لا پتہ ہے۔ اسکی آخری کال چھ ماہ پہلے آئی تھی۔ اب اس سے خاندان کے کسی فرد کا کوئی رابطہ نہیں۔"

"خس کم جہاں پاک۔" وہ زینیا کو دیکھ کر بولے تو وہ ہنس پڑی۔ اسے ہنستے دیکھ مقصود بھی ہلکا سا مسکرائے تھے۔ کئی سالوں بعد ایک تازہ دم سی مسکراہٹ۔ ایک خالص مسکراہٹ۔

تھوڑی دیر بعد زینیا اٹھ کر جا رہی تھی۔ مقصود اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ انہیں بھی زینیا کسی اپنے کی یاد دلاتی تھی، وہ جس سے ملاقات ادھوری تھی۔

ہک ہاہ، کہانی انہیں کہنے کا موقع دے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

چھ ماہ بلوچستان کے شہر گوادر میں بھی گزرے تھے۔ لیکن یہ چھ ماہ کسی قسم کا کوئی بدلاؤ نہیں لا سکے تھے۔ رونق، خوشبو، رنگوں کو چھوڑ کر چھوٹے گیٹ والے اس گھر کا رخ کرو تو دادی پلنگ سے ٹیک لگائے ہاتھوں میں تسبیح لئے بیٹھی تھیں۔ آنکھیں موندے وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھیں۔ جب دھیرے سے کوئی پلنگ پہ انکے قریب آ کر بیٹھا۔

سیاہ رنگ کا اوور سائز کرتا، چٹیا میں بندھے روکھے بے جان بال۔ کھنڈر چہرہ اور خالی آنکھوں والی کونج کسی غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھی۔ آج اسکا فرسٹ ایئر کا رزلٹ آیا تھا۔ اور وہ تین سبجیکٹس میں بہت بری طرح فیل ہوئی تھی۔ چھ ماہ وہ ایک نقطے سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ان چھ ماہ میں اس نے خود کو معاف نہیں کیا تھا۔

"کیا کہتا ہے وہ لڑکا؟" دادی آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔ کونج انکی بات کو کوئی مفہوم نہ دے سکی۔ "دھمکا رہا ہے؟"

وہ ساکت رہ گئی۔ ہل بھی نہ سکی۔ "پھر تم نے کیا کہا؟" سیاہ آنکھوں والی لڑکی کو ادرک ہوا کہ اب کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ کئی لمحے خاموشی رہی اسکے بعد کونج کی ہلکی سی آواز ابھری۔

"کہتا ہے میری تصاویر لیک کر دے گا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا دادی۔ میں نے بہت منتیں کیں لیکن وہ نہیں مانا۔" اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "اب میں تھک گئی ہوں۔ اب لگتا ہے وہ صحیح کر رہا ہے۔ میں یہی ڈیزرو کرتی ہوں۔ یہ

Dead end

ہے۔ میں جانتی ہوں۔" اسکا دل جکڑا گیا۔ ذلت، رسوائی خاندان کی بدنامی کا خوف۔ کونج حاکم کے بس میں ہوتا تو زندگی پہ ریوائنڈ بٹن لگاتی اور اس حرام تعلق میں پڑنے والے دن کو بدل دیتی۔ افسوس اسکے پاس نہیں تھا۔ شاید تمھارے پاس ہے۔

"اس سے پہلے کہ وہ کسی کو کچھ بتائے۔ میں بشر کو سب بتادوں گی۔" اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ "ذلت تو ویسے ہی مقدر رہے ہی۔ تو پھر میں خود ہی اسے اپنے بخت میں لکھ دیتی ہوں۔ میں اب یہ برداشت نہیں کر سکتی میں" . . . . .

"تم تو عزازیل تھیں کونجاں۔ تم ابلیس کب بن گئیں؟" الفاظ تھے کہ ضرب۔ کونج کے دل پہ نشان پڑ گئے۔ "اول تو تم نے غلطی کی اور اب تم سرکشی پہ اتر آئیں؟ تم ابلیس کب بنیں؟"

"میں ابلیس نہیں ہوں۔ ابلیس سرکش تھا۔ اس سے گناہ ہوا اور اس نے بجائے معافی مانگنے کے زمین میں فساد پھیلانا شروع کیا۔ وہ جھکنے کی بجائے اکڑ گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہا۔ اس نے اللہ کے بندوں کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہا۔ ایسا جنہیں معاف معاف نہ کیا جا سکے۔" وہ بولتے بولتے رکی۔ زخمی نگاہیں اٹھا کر دادی کو دیکھا۔ "ابلیس سرکش تھا دادی۔"

"اور تم کون ہو؟" سارے وقت میں انہوں نے پہلی بار آنکھیں کھولی تھیں۔ "ابلیس نے فساد پھیلایا۔ اس نے ان لوگوں کو معاف نہیں کیا جنکی وجہ سے اسے سزا ملی تھی۔ اور تم خود کو معاف نہیں کر رہیں۔ ان گناہوں کے لئے جو اللہ نے متعین کئے۔ سزا اور جزا کا فیصلہ اسی کا ہے۔ تم ہوتی کون ہو خود کو نہ معاف کرنے والی؟ تم کہتی ہو تم سرکش نہیں ہو مگر تم نے ایک بار بھی جھک کر معافی نہیں مانگی۔ کیا تم اتنی اونچی ہو گئیں؟ کہ اپنے بنانے والے کے سامنے جھک نہ سکو؟"

"میں اونچی نہیں شرمندہ ہوں۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"شرمندہ، تھکا ہوا، ہارا ہوا انسان اپنے اصل کی طرف جاتا ہے۔ زخمی اپنے مرہم لگانے والے کے پاس جاتا ہے۔ کبھی دیکھا ہے وہ بچہ جو گر جائے، زخمی ہو جائے تو سب سے پہلے اپنی ماں کو پکارتا ہے۔ اور وہ کونسا بچہ ہوتا ہے جو اپنی ماں کو نہیں بلاتا؟" کونج سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ وہ بس انہیں دیکھتی رہی۔

"ضدی، ڈرا ہوا، یا پھر کسی کا بہکایا ہوا بچہ۔ تم شیطان کے بہکاوے میں آ گئی ہو۔ اس نے تمھارے کان میں پھونک دیا کہ اب تو تمہارا خدا تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ سو تم اسکے پاس نہ جانا۔ اور اپنی اصطلاح میں تم نے اسے شرمندگی کا نام دے دیا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے کونجاں ایک بات یاد رکھنا۔ جب بھی تم سے کوئی گناہ ہو۔ اپنے اللہ کی طرف واپس جاؤ۔ ڈرے ہوئے ہو تب بھی۔ شرمندہ ہو تب بھی۔ شیطان تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہے گا مگر تم نے نہیں بننا۔" وہ رکیں کونج کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا۔ اور پھر بازو پھیلا دیے۔

ضدی بچہ تھک گیا۔ہار گیااور اپنی ماں کی آغوش میں چھپ گیا۔اگلے کئی پل اس کمرے میں کونج حاکم کی سسکیاں گونجتی رہی تھیں۔

"تم کچھ نہیں کرو گی کونج۔تم بشر کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔عزت،ذلت سب اللہّ کے ہاتھ میں ہے۔وہ چاہے تو بھر بھر کے عزت دے۔اور اگر وہ چاہے تو تمہارادامن ذلت سے بھر دے۔وہ ہر شے پہ قادر ہے۔اس نے اب تک تمہاراپردہ رکھاہوا ہے ناں؟اس سے معافی اور مدد طلب کرو۔وہ آگے بھی تمہاراپردہ رکھے گا۔یہ اصل کی طرف واپسی کا وقت ہے بچے۔یہ خود کو معاف کرنے کا وقت ہے۔"

کونج انکی باتوں پہ سر ہلاتی رہی تھی۔کئی لمحے بعد اس نے موبائل اٹھایااور ایک آخری پیغام لکھا۔

"میں تمھارے اکاؤنٹ میں کوئی پیسے نہیں بھیج رہی۔میں تم سے ملنے کسی ہوٹل نہیں آرہی۔جو چاہتے ہو کرلو۔مگر یاد رکھنا،اس بار میرے پاس پلان ہے۔"باخدا اسکے پاس پلان کا" پ" بھی نہیں تھا۔دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔جسم سے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے مگر یہ اصل کی طرف واپسی کا وقت تھا۔یہ ابلیس کے عزازیل بننے کا وقت تھا۔

چند لمحوں بعد جائے نماز پہ کھڑی کونج حاکم زاروقطار رو رہی تھی۔چھ ماہ کا ٹوٹا تعلق تھا جڑنے میں بس ایک پکار لگی تھی۔کوئی اللہّ سے زیادہ تم پہ رحمدل نہیں ہو سکتا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سٹوڈیو نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔واحد روشنی وہ تھی جو سرخ گاؤن پہ گرتی تھی۔وہ سرخ گاؤن جو فخر سے ٹنگا کھڑا تھا۔وہ سرخ گاؤن جسے اپنی قسمت لکھے جانے کا انتظار تھا۔اسی سٹوڈیو میں ایک اور نفس بھی تھا۔جو صوفے پہ دراز تھا۔

اسکی آنکھیں چھت کی سیلنگ سے لگی تھیں۔بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ایش گرے کوٹ فرش پہ پڑا تھا۔شرٹ کے کف اور اوپری دو بٹن کھلے تھے۔سگار کا پیکٹ بھی ساتھ پڑا تھا مگر ان چھوا۔اسے رہ رہ کر ایک ہی منظر یاد آرہا تھا۔زینیا

کے ہاتھ میں اپنی کیک کی پلیٹ تھماتا مہدی، انکاہنسنا، اور ایک لمبی بات۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ دو دن گزر چکے تھے۔ مگر آنکھوں کے آگے منظر تازہ تھا۔

آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ بے تحاشا جلن سی ہونے لگی۔ جانے دل میں جانے آنکھوں میں؟ وہ ایک بار پھر صوفے کے ہتھے پہ سر رکھے لیٹ گیا۔ تھکن سے، سوچوں کے انبار سے۔ گہری سانسیں لیتا وہ کسی کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا روشنی کے نیچے آکر کھڑا ہوا۔ روشنی اب اسکے اوپر تھی۔

اس نے دھیرے سے اپنا سر سنگی مجسمے کے کندھے پہ ٹکا دیا۔ سرخ سلک اسکے ماتھے سے ٹکرایا تھا۔ زرد روشنی میں مجسمے کے کندھے سے سر ٹکائے وہ نیم دیوانہ نظر آتا تھا۔

"کوئی چیز مکمل میری کیوں نہیں ہوتی؟" ہلکی دھیمی آواز میں کیا گیا سوال ہر اور گونجا۔ "مہدی کمبیر کا کرس میری جان کب چھوڑے گا؟" وہ سیدھا ہوا۔ گردن ڈھلکا دی۔ بال ماتھے پہ ایک طرف گرنے لگے۔ آنکھوں کی سرخ ڈوریاں واضح تھیں۔

وہ نیچے بیٹھ گیا۔ قیس کمبیر آلتی پالتی مارے مجسمے کے پیروں میں بیٹھ گیا تھا۔ ننگے پیر، بکھرا حلیہ، نیم اندھیرا اسٹوڈیو اور روشنی کے دائرے میں بیٹھا یہ شخص۔

"میں مانتا ہوں میں لوگوں اور چیزوں سے آبسیسڈ ہو جاتا ہوں۔ لیکن میں ساری دنیا کی چیزیں، ساری دنیا کے لوگ تو نہیں لے لیتا ناں؟" اسکی پلکوں کا سایہ اسکے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ آنکھیں پر سوچ تھیں۔ "اگر اتنی بڑی دنیا سے۔" اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ "چند چیزیں اور لوگ قیس کے نام ہوئے تو کسی کا کیا بگڑ جائے گا؟" چہرہ اوپر کی طرف اٹھایا۔ "میں آپ کی دنیا سے چند لوگ لے سکتا ہوں ناں اللہ؟"

سوال کیا پھر اسے بیٹھے ہوئے بھی سکون نہ آیا۔وہ اسی فرش پہ چت لیٹ گیا۔فرش پہ گرتا سرخ سلک ہاتھوں سے چھوا۔"میں اچھا بننے کی کوشش کرتا ہوں، مگر دنیا ظالم ہے۔یہ مجھے اچھا رہنے نہیں دے گی۔مجھے میرے اصل کی طرف لوٹنا ہو گا۔"کئی لمحے وہ یونہی سرخ گاؤن کی آغوش میں فرش پہ چت لیٹا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ بیٹھا۔سرخ گاؤن کو عقیدت اور محبت بھری نظروں سے دیکھا۔"فکر مت کرو وہ میرا بھائی ہے میں اسے نقصان نہیں دوں گا۔"سنگی مجسمے نے سکھ کا سانس لیا۔قیس نے جھک کر صوفے سے اپنی چیزیں سمیٹیں۔جوتے پیروں میں ڈالے اور باہر نکل آیا۔

سیکنڈز بیتے، لمحے پر لگا کر اڑے، گھنٹے نے ہوائی سفر طے کیا اور اب قیس کمبیر اپنے گھر میں تھا۔وہی سفید شرٹ اور سرمئی پینٹ۔البتہ اب ہاتھوں میں کئی کاغذات تھے۔اگر جھانک کر دیکھو تو انہی کاغذات میں ایک سبز کاغذ بھی تھا۔مہدی کمبیر کا پاسپورٹ۔

راہداریاں طے کرتا وہ ڈرائنگ روم میں آیا۔صوفے پہ آڑھا ترچھا لیٹا مہدی لیپ ٹاپ پہ کوئی فلم دیکھ رہا تھا۔سینے پہ ڈرائے فروٹ کا باؤل رکھا تھا۔میز پہ ادھ کھایا پزا، سوفٹ ڈرنک کے کین، اور سلاد کے پیکٹ بھی رکھے تھے۔خود وہ ڈھیلے ڈھالے لباس میں تھا۔قیس اندر آیا۔حیرت کی بات تھی کہ آج اسکا دھیان کچرے پہ نہیں گیا۔آج اس نے مہدی کو عاق کرنے کا نہیں سوچا۔آج تو کمبخت کو اپنی جان کے لالے تھے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"i have a surprise for you"

وہ میز کے کنارے رک گیا۔مہدی نے سکرین پہ پاز کا بٹن دبایا۔اور اسکی طرف دیکھا۔

it's been so long "

تم کہیں گئے نہیں۔کل تم لندن جا رہے ہو۔میں نے انتظام کر دیا ہے۔luckily تمہارا ویزہ ایکسپائر ہونے میں دو ماہ باقی ہیں۔انجوائے کرو۔اس بار تمہارا اسپانسر قیسم ہے۔"

مہدی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرایا۔

Thank you but i like it here

"میں کہیں نہیں جارہا۔ کم از کم فلحال نہیں۔ "اس نے دوبارہ نگاہیں سکرین پہ مرکوز کرلیں۔ قیس کے تاثرات سخت ہوئے۔

"تم مجھے منع کر رہے ہو؟ مجھے ناں سننے کی عادت نہیں ہے گرین وونڈ۔" وہ اسے اس نام سے تب پکارتا تھا جب اسے مہدی کے چہرے پہ اذیت دیکھنی ہوتی تھی۔ خلاف توقع آج تاثرات میں تبدیلی نہ آئی۔

"بری عادتیں بہت دیر سے چھوٹتی ہیں۔ فکر مت کرو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ "سکرین کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ قیس کمبیر کو شبہ سا ہوا۔ یہ واقعی مہدی کمبیر ہی تھا؟ جب قیس کئی لمحے بغیر کچھ کہے اسے دیکھتا رہا تو مہدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں جب بھی ملک سے باہر جاتا تھا سب سے پہلے مجھے روکنے والے تم ہوتے تھے۔ تمہیں لگتا تھا میں کہیں مر نہ جاؤں۔ آج تم خود مجھے بھیج رہے ہو۔ کیا میری موت کا خوف ختم ہو گیا ہے؟"

قیس نے کوئی جواب نہ دیا۔ "میری موت کا خوف ختم ہوا ہے یا اچانک تمہیں اپنی زندگی سے محبت ہونے لگی ہے؟" یہ وار مختلف تھا۔ قیس کی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔ کیا واقعی اسکے لئے اپنے بھائی کی زندگی غیر اہم ہو گئی تھی؟

"میرا تمہیں کہیں باہر نہ جانے دینا ایک ابنارمل عمل تھا۔ میں بسمل تھا، اور چاہتا تھا سب میری طرح رہیں۔ "وہ رکا ایک قدم آگے بڑھا کر پاسپورٹ اور باقی کے دستاویزات اسکی طرف اچھالے۔ "اب میں نارمل ہو رہا ہوں۔ تم اپنے بھائی کو نارمل دیکھنا چاہتے تھے ناں؟"

مہدی چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ وہ لوگوں کو اندر تک پڑھ لیا کرتا تھا۔ پھر کیا تھا جو قیس میں بدل رہا تھا؟ کیا تھا جو اسے اندر جھانکنے نہیں دے رہا تھا۔ یا شاید وہ جھانکنا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا تم واقعی نارمل ہو رہے ہو؟ کیا بات صرف یہی ہے؟"

قیس بادقت مسکرایا۔ ”آبیو سلی بس یہی بات ہے۔“ وہ آگے آیا مہدی کے سینے سے لیپ ٹاپ اٹھایا۔ اسکی پشت پہ زور دے کر اسے سیدھا کر کے بٹھایا پھر خود بھی ساتھ آ کر بیٹھا۔ ”ساتھ میں دیکھتے ہیں۔ کیا دیکھ رہے ہو۔“

گہری سانس بھر تا مہدی اب اسے فلم کے بارے میں بتا رہا تھا۔ قیس ہر دفع اسکی آدھی دیکھی ہوئی فلم شروع سے چلواتا تھا مگر آج وہ وہیں سے دیکھے گیا جہاں سے مہدی دیکھ رہا تھا۔

کچھ بدل گیا تھا۔ کچھ تو واقعی بدل گیا تھا۔

ستمبر کی اس چمکتی صبح میں اسلام آباد کے ایک اپر کلاس ایریا میں بنا وہ ولا خوبصورتی اور شان و شوکت کی علامت تھا۔ دروازے پہ سامان سے بھرا ایک ٹرک کھڑا تھا، جس سے سامان اٹھاتے لوگ اندر آ رہے تھے۔ ولا کے اندر قدم رکھو تو اوپری منزل کے بیڈ روم سے نسوانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ سامان رکھواتا براق حنیف برق رفتاری سے اوپر کی طرف بھاگا تھا۔

کمرے کی چوکھٹ پہ وہ ٹھہر گیا۔ شیزل سیمسن اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھے، پورے قد کے ساتھ پلنگ پہ کھڑی اچھل رہی تھی۔ ایک کونے میں رکھے صوفے پہ زینیا مزے سے یہ لائیو شو دیکھ رہی تھی۔ شیزل نے براق کو دیکھا تو اسکے چیخنے میں مذید تیزی آ گئی۔

”چوہیا . . . . براق چوہیا . . . اندر چوہیا۔“ براق کا دل کیا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ اسکی ہو چکی منگیتر جو شیر کو کچا کھا جائے اور ڈکار بھی نہ لے وہ چوہیا سے ڈرتی تھی؟

اگلے چند پل بعد ملازم چوہیا کا جنازہ لے کر باہر جا رہا تھا۔ شیزل اب بھی بیڈ کے کونے پہ ٹکی بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں کراہیت سی تھی۔

"اتنا شور شیزل؟" براق نے شکوہ کیا۔

"ہاں تو مجھ گھن آتی ہے۔ اب کیا کروں بھلا؟ تم نے اسے دیکھا تھا کتنی خطرناک تھی۔"

"ہاں بلکل دیکھا تھا میں نے۔ اسکے ایک ہاتھ میں ایم16 تھی اور دوسرے میں ایٹم بم۔ کہیں گولیوں سے چھلنی تو نہیں کر دیا تم دونوں کو؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

"تم دیکھ رہی ہو ناں زینم۔ یہ میرے ساتھ یہی کرتا ہے۔ اسکو میری کوئی پرواہ ہی نہیں۔ میں ہی پاگل ہوں جو اس گھر کو سجانے کے لئے آگئی۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اس سے شادی مت کرو۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔ نظریں موبائل پہ جمی تھیں۔ براق کے مانو پتنگے لگ گئے۔

"یہ ایسے؟ ایسے سانپ دوست رکھے ہوئے ہیں تم نے؟ میں بھی سوچوں میں تو بہت شریف، ایماندار، نیک لڑکا ہوں یہ آخر تمہیں میرے بارے میں بھڑکاتا کون ہے۔"

"شریف، ایماندار، اور نیک انسان کی تعریف اپنے لفظوں میں بتانے کو آپ بھڑکانا کہتے ہیں؟" زینیا ابرو اٹھا کر بولی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شیزل کی آنکھیں پنڈولم کی طرح گھوم رہی تھیں۔ اسکا مسئلہ چھوڑ وہ دونوں آپس میں لڑنے کیوں لگے تھے۔

"تعریف سے یاد آیا۔ تمہاری تعریف میں اچھے سے جانتا ہوں۔ ویسے تو بہت بنتی ہو اس چھوٹے چوہے کو نہیں مار سکیں تم؟"

"نظر نہیں آرہا؟ مصروف ہوں میں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل بلند کیا۔

"کیا موت کے کنویں میں بائیک چلا رہی ہو؟" وہ بگڑ کر بولا۔

"آخری اطلاعات تک آپ کی منگیتر شیزل ہے۔ اسکے معمولات کی فکر کریں۔ کوئی چوہے کا خوف نہیں اسے صبح کافی نہیں ملی۔" براق نے ٹھہر کر شیزل کو دیکھا۔

"دیکھا، دیکھا زینیا۔ اس نے مجھ سے صبح سے کافی بھی نہیں پوچھی۔" وہ ایک مرتبہ پھر روہانسی ہوئی۔ زینیا نے کندھے اچکائے۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا یہ ریڈ فلیگ ہے۔"

براق نے تحمل سے ان دونوں کو دیکھا۔ اپنی منگیتر اور اسکی دوست کے ساتھ اپنا ہونے والا گھر سیٹ کرنے کے مشورے اور خود پہ لعنت بھیجی۔ پھر شیزل کی طرف مڑا۔

"تمہیں کافی چاہیے تھی تو بولا کیوں نہیں؟"

"میں کسی کے گھر جا کر فرمائشیں نہیں کرتی۔" اس نے گردن کڑائی۔ براق اسے کہنا چاہتا تھا" یہ ہمارا گھر ہے شیزل" مگر ایک خول جو اسکے اوپر چڑھا تھا اسے اتارنا مشکل تھا۔

"میں کافی کا کہہ کر آتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دروازے پہ کھڑے ہو کر ایک نظر زینیا کو دیکھا۔ زبان میں کھجلی سی ہوئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ویسے تم میرے ساتھ ذرا کم بحث کیا کرو۔ تمہیں نوکری دلوانے والا میں ہوں۔" فخر سے نادیدہ کالر سیدھے کئے۔

"آپ کی دلائی نوکری آپ ہی کی طرح غیر پائیدار نکلی۔ اب میرے پاس جو نوکری ہے وہ کسی کا عطیہ نہیں ہے۔"

"میں چاہوں تو تم کل قیسم میں نظر نہ آ۔"

"اور اگر میں چاہوں تو کل سے آپ شیزل سیمسن کے ساتھ نظر نہ آئیں۔" اس نے معصومیت کی ہر حد پار کرتے ہوئے براق کو دیکھا۔ "میں چاہ لوں کیا؟"

براق غصے سے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔ اسے یقین تھا bestie power کا۔ پیچھے زینیا نے شیزل کو لتاڑنا شروع کیا۔

"جب تم فلحال شادی نہیں کرنا چاہتیں تو صاف صاف کہہ دو۔ ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

"میں نے کیا ڈرامہ کیا؟ کافی پینا ڈرامہ ہے؟" وہ معصوم بنی۔ زینیا سنجیدہ ہوئی۔

"تم اسے زچ کر رہی ہو یہ ڈرامہ ہے۔ ایک سامان کو تین جگہ سیٹ کرواتی ہو، زرا زرا سی بات پہ انگوٹھی نکال لیتی ہو۔ صبح تم نے براق کو ناشتے کے بغیر بلوالیا تھا۔ اور اب ڈیڑھ بج رہا ہے۔ اگر اس نے کافی نہیں پوچھی تھی تو تم خود بنا لیتیں۔ یہ اسکا یا تمہارا گھر نہیں ہے۔ اسے " ہمارا" سمجھو گی تب تعلق آگے بڑھ سکے گا۔ تمہیں پرابلم کیا ہے شیزل؟"

شیزل چند لمحے انگوٹھے سے ہتھیلی کی جلد کھرچتی رہی۔ پھر گردن جھکا کر ہلکی آواز میں بولی۔

"مجھے براق سے مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے باؤنڈ ہونے سے ڈر لگتا ہے۔ میں ہر بات پہ لڑ جھگڑ کر اپنی حاکمیت رکھنا چاہتی ہوں۔ میں اس تعلق میں اپنی آزادی اور مقام پہ سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ مجھے میرا حصہ چاہیے۔"

زینیا نے گہری سانس لی۔ "اس طرح نہیں ملے گا جیسے تم چاہ رہی ہو۔ بات کرو شیزل۔ براق سب سمجھ جائے گا۔ اسے زچ کرنا اور خود کو براق سے، اسکے مسائل اور گھر سے غیر سمجھنا چھوڑ دو۔ ورنہ بہت دور رہ جاؤ گی۔ جہاں سے وہ آدھا عرب تمہیں واپس نہیں لا سکے گا۔"

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ کہہ کر دوبارہ موبائل میں مشغول ہو گئی۔ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے براق نے ساری باتیں سنی۔ اور " ویسے مہدی کی بندی اتنی بری بھی نہیں ہے۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ زینے اترتا چلا گیا۔

بس کے شیشے سے رخسار ٹکائے وہ سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو تک رہی تھی۔ آنکھوں کی ڈوریاں سرخ تھیں۔ دنیا اندھیری تھی مگر کچھ وقت ہوا تھا کہ کونج حاکم کے دل میں روشنیوں کا دیا جلنے لگا تھا۔

بس آج خالی سی تھی۔ کونج حاکم کے برابر والی سیٹ کی طرح۔ مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی لڑکیاں اٹھ کر اگلی نشستوں پہ آنے لگی تھیں۔ انہی میں سے ایک اسکے ساتھ آکر بیٹھی۔

"ہائے میرا نام سمعیہ ہے۔" ساتھ بیٹھی لڑکی نے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔

"میرا نام کونج حاکم نواب ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ہاتھ ملایا مروت نبھائی۔

"یار تمھارے ہاتھ اتنے کھردرے سے کیوں ہیں؟ لوشن نہیں لگاتیں؟" وہ فوراً بے تکلف ہوئی۔ کونج نے بے زاری سے گردن موڑی۔

"میرے ہاتھ شروع سے ہی ایسے ہیں بدصورت۔"

سمعیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ "میں نے بدصورت نہیں کہا۔ میں نے کہا، روکھے۔ یہ cure ہو سکتے ہیں۔ اگر تم محنت کرو۔" فارمل سی گفتگو کسی اور نہج پہ چلی گئی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کچھ بھی cure نہیں ہو سکتا۔ اور میں اپنے انہی ہاتھوں، اسی چہرے کے ساتھ خوش ہوں۔ (کیا واقعی؟)۔"

"تم خوش ہو یا پھر گواپ کر چکی ہو؟ مجھے نہیں پتہ تمہارا کیا مسئلہ ہے لیکن اپنے آپ کو قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ خود پہ محنت کرنا چھوڑ دو۔ یہ گواپ ہوتا ہے۔ سستی ہوتی ہے۔ جب انسان خود کو قبول کر لیتا ہے تب وہ خود کو praise کرتا ہے۔ degrade نہیں۔" وہ اٹھی اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا۔ "آئی ایم سوری، میں نے بس ایک بات کہی تھی۔ معذرت اگر تمہیں کچھ برا لگا ہو تو۔" وہ واپس پچھلی نشستوں کی طرف بڑھتے ہوئے رکی۔

"مسئلہ یہاں نہیں ہے۔" اس نے کونج کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ "مسئلہ یہاں ہے۔" اس نے انگلی سے کنپٹی کی طرف اشارہ کیا۔

کونج حاکم چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اسے یہ الفاظ کلک ہوئے تھے۔ کسی اور نے بھی اسے ایسا ہی کچھ کہا تھا۔ کس نے؟ یاد کرنے کی کوشش کے باوجود اسے کچھ یاد نہ آیا۔ گھر آ کر اس نے لباس بدلا، کھانا کھایا اور جی کے بہلانے کو الماری سیٹ کرنے بیٹھ گئی۔

اب فرش پہ ہر طرف کپڑے، جوتے اور میک اپ کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ زینیا حاکم کو اسلام آباد گئے ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ اور کونج آج بھی اسے پہلے دن کی طرح یاد کرتی تھی۔ اسکے کپڑے، جوتے وہ یاسیت سے ایک ایک سامان کو الگ کرتی گئی۔

سیاہ رنگ کا لیدر بیگ الٹا تو ڈھیر ساری چیزیں نکل آئیں۔ چابیاں، لپسٹک، پیسے، اور ایک تہہ شدہ پرچی۔ اس نے پرچی کھولی۔ ایک نمبر کے نیچے ڈاکٹر مظفر لکھا تھا۔ کونج کو بے اختیار کراچی کے ہسپتال میں ملنے والا وہ سر پھرا یاد آیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں یاد آیا اس کے آخری الفاظ کیا تھے۔

کونج حاکم کے پاس اس سے پوچھنے کو آج ڈھیر سارے سوال تھے۔ وہ فرش سے اٹھی۔ بیڈ تک آئی اور اپنا موبائل اٹھایا۔ واٹس ایپ کھول کر اسی نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

"کیا میں آپ کو کال کر سکتی ہوں؟" وہ پانچ منٹ تک جواب کا انتظار کرتی رہی۔ پھر عصر پڑھنے چلی گئی۔ واپس آئی تو اس آدمی کا جواب آ چکا تھا۔

"آپ کون؟"

"میں کونج حاکم۔ ظاہر ہے آپ نام سے نہیں جانتے ہوں گے۔ ہم ہسپتال میں ملے تھے۔ میں اسکن کیئر ٹریٹمنٹ لینے آئی تھی۔ اور آپ نے کہا تھا مسئلہ میرا چہرہ نہیں دماغ ہے۔ کیا میں آپ کو یاد ہوں؟"

پیغام بھیج کر وہ ناخن کاٹتی رہی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ قریبا پندرہ منٹ بعد جواب آیا تھا۔ کونج نے لپک کر موبائل اٹھایا اور تیزی سے میسج کھول کر پڑھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اوکے میں پہچان گیا۔ تم مجھے کال کر سکتی ہو۔"

کونج نے فوراً اسے کال ملائی۔ جو کہ اٹینڈ ہو گئی تھی۔

"کیسی ہو بچے؟"

سامنے والے کا لہجہ ہشاش بشاش تھا۔ کونج جس نے دل میں اسے دینے کو ڈیڑھ ہزار گالیاں سوچ رکھی تھیں تھم گئی۔ غصہ نہ تھما۔

"آپ کو کیا لگا تھا اس دن آپ مجھے مینوپلیٹ کر چکے ہیں؟" وہ بھڑک اٹھی۔

"کیسی ہو کا ایسا جواب آج پہلی بار سنا ہے۔" وہ ہنس پڑا۔ ڈھیٹ ڈاکٹر۔

"اتنے سارے لوگوں کے درمیان آپ مجھے یہ بتا رہے تھے کہ میں پاگل ہوں، کیا یہ انسانیت تھی؟ اور آج ایک اور آپ کے جیسی ہی مجھے بتا رہی تھی کہ مسئلا میرا چہرہ نہیں میرا دماغ ہے۔ میں" . . . .

"اتنے سارے لوگوں کے درمیان تم وائٹننگ انجکشنز لینے جا رہی تھیں تب تو تمہیں کوئی شرم نہیں آئی بیٹا۔ کیوں؟ کیونکہ تمہیں لگتا تھا کہ تمھارے چہرے کے ساتھ مسئلہ ہے۔ اور جب میں نے تمہیں اصل مسئلہ بتایا تب تم بھڑک گئیں؟ کیوں کیا دماغ جسم کا حصہ نہیں ہے؟" کونج کو چپ سی لگ گئی۔ دور اندر کہیں شرمساری بھی ہوئی۔

"دماغ اور چہرہ دو الگ الگ عضو ہیں۔ دونوں کی بیماری یوں سرعام بتانا اخلاقی زمرے میں نہیں آتا۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"اور یہ دائرہ بنایا کس نے ہے؟ معاشرے نے؟ اسی معاشرے کے ایک ہزار دائرے ہوں گے جن سے تم باہر نکلنا چاہتی ہو گی تو پھر اس سے کیوں نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس دائرے میں ایک حاشیہ کھینچنے والی تم بھی ہو۔" وہ کونج جس نے اسے ہزار باتیں سنانے کو کال کی تھی۔ اس پہ رعب طاری ہونے لگا۔ اسکا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اسکے الفاظ ختم ہو رہے تھے۔ یہ آدمی کون تھا۔

"آپ نے کہا تھا میں خود کو قبول کروں۔ میں کر چکی ہوں۔ میں ہر شے قبول کر چکی ہوں۔ اپنا رنگ، قد، نقش لیکن یہ دنیا کیوں قبول نہیں کرتی۔ مجھے بار بار انکو کیوں بتانا پڑتا ہے کہ میں خود کو اور اپنی خامیوں کو قبول کر چکی ہوں۔"

"تم سے کس نے کہا کہ دنیا مان لے گی؟ یا پھر تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ تمہیں دنیا کو منوانا ہے۔ کوئی ہوتا کون ہے ایک محفل میں بیٹھ کر تمہاری ذات پہ بات کرنے والا؟ کسی رشتے دار، بہن بھائی، ماں باپ، دوست کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ آپ کو آپ کے رنگ، قد، نقش کو زیر بحث لائے۔" کہتے کہتے وہ رکا۔ شاید وہ پانی پی رہا تھا۔

"دنیا نہیں مانتی بچے۔ "آپ" کو ماننا ہوتا ہے۔ آپ کے دماغ کو آپ کے دل کو۔ دنیا نے بھلا آج تک کس کی مانی ہے؟ اگر تم واقعی خود کو قبول کر چکی ہوتیں تو تمہیں کسی کو یہ سب باور کروانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ایک سچ بتاؤں؟" کونج نے بیڈ شیٹ کو مٹھی میں دبوچا سفاک سے سفاک الفاظ کے لئے تیار ہوئی۔

"تم نے خود پہ گواپ کر دیا ہے کونج حاکم۔ تمہیں یہ نہیں کرنا ہے۔ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ یہ فرار ہے علاج نہیں۔"

"خود پہ گواپ کرنا کیسا ہوتا ہے؟" اسکی آواز میں نمی سی گھلی۔

"اس کے لئے تمہیں مجھ سے سیشنز لینے ہوں گے۔ اب تک جو جواب میں نے دیئے وہ میری قابلیت کا ٹیسٹ تھے۔ امید ہے میں فرسٹ آیا ہوں گا۔" کونج نم آنکھوں کے ساتھ ہنس پڑی تھی۔ مظفر غوری بھی مسکرایا۔

کورس کے متعلق چند معلومات اسے دے کر وہ فون بند کر چکا تھا۔ کونج حاکم آج بڑے دنوں بعد مسکرائی تھی۔ آج بڑے دنوں بعد اسکا دل ہلکا ہوا تھا۔ اگلے چند لمحے بعد وہ فرش پہ گلک توڑے بیٹھی تھی۔ سکے، نوٹ وہ سب چن رہی تھی۔

اس سردیوں میں کپڑے نہیں لے گی۔ جوتے نہیں لے گی۔ اس سردیوں میں اسے علاج چاہیے تھا۔ ایک قدم زندگی کی اور۔

وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی سے اترے تھے۔سیاہ آنکھوں والا شخص تیز تیز قدم اٹھاتا راہداریوں میں چل رہا تھا۔مہدی کمبیر ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا اسکے برابر چل رہا تھا۔لب بھینچ رکھے تھے۔ماتھے پہ سلوٹیں نمودار ہوتی تھیں۔ قیس کئی ایک دفع مختلف ڈیسکس پہ رکا تھا۔اؤنہوں کام چیک کرنے کو نہیں مہدی کا ضبط آزمانے کو۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں لفٹ میں تھے۔

" پچھلے آدھے گھنٹے سے میں تم سے ایک ہی بات پوچھ رہا ہوں قیس۔تم جواب دینا پسند کروگے ؟"اب اس سے ضبط محال ہوا۔

"کیا سوال ہے زرا دہراؤ۔"لفٹ کے پٹ آپس میں جدا ہوئے۔وہ دونوں باہر نکلے۔مہدی نے کچھ کہنا چاہا مگر آس پاس گزرتے ملازمین کو دیکھ چپ رہا۔ان دونوں نے قیس کے آفس میں قدم رکھے۔اور اب مہدی کی بس ہو چکی تھی۔وہ پھٹ پڑا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تمہیں شرم نہیں آتی قیس؟تم نے جو کیا ہے واقعی اس پہ ذرا بھی نادم نہیں ہو؟"

"پتہ تو لگے مجھ مسکین کا گناہ ہے کیا۔"اس نے کوٹ اتار کر اسٹینڈ پہ رکھا۔اور ایک طرف رکھے چھوٹے سے کتابوں کے ریک کی طرف آیا۔اب وہ ایک ایک کتاب کو الٹ پلٹ رہا تھا۔

"تم نے پچھلے ماہ قیسم کے لئے کپڑا درآمد کروایا،اور سسٹم میں بیٹھے چند چور اور کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔اور اسکے بعد تم نے کرورڑوں کے اس کپڑے پہ حکومت کا لاکھوں روپے کا ٹیکس نہیں بھرا۔تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔"

"یونو واٹ مجھے پورے ایک کروڑ کا فائدہ ہوا ہے۔" وہ ایک کتاب نکال چکا تھا۔ اور اب اسکے ورق پلٹ رہا تھا۔ انداز سرسری سا تھا۔

"اور تم ایک کروڑ کے لئے اپنا ضمیر بیچ دو گے؟"

قیس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ٹھنڈہ تاثر اگلے انسان کو جما سکتا تھا، مگر کچھ عرصہ ہوا تھا کہ سبز آنکھیں بے خوف ہونے لگی تھیں۔

"میں ایسا ہرگز نہ کرتا اگر سسٹم میں میرا باپ زمان کمبیر بیٹھا ہوتا۔ لیکن افسوس وہ مر چکا ہے اور وجہ تم ہو۔

it was all your fault "

مہدی چند لمحے خاموش رہا۔ گردن میں گلٹی سی ابھری۔ دل بے تحاشا دھڑکا۔ اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ لرزتی مٹھی بند کر کے خود پہ قابو پایا۔

it wasn't my fault اسکی آواز ہلکی تھی۔ بے حد ہلکی۔ قیس نے اچھنبے سے کتاب سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا۔

" pardon me?"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مہدی دو قدم آگے آیا۔ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ جسم کی لرزش پہ مٹھیاں بھینچ کر قابو پانے کی کوشش کی۔

"it wasn't my fault it was fate "

گردشیں تھم گئی تھیں۔ وقت کے چکر پلٹے۔ وہ جو سنتے رہنے کا عادی تھا آج بول پڑا تھا۔ وہ جو سنانے کا عادی تھا کچھ بول نہ سکا۔ ہاں مگر جسم میں غیض و غضب کی ایک لہر اٹھی تھی۔

"تم قاتل ہو مہدی کمبیر۔" وہ آگے آیا ایک جھٹکے سے اسکی گردن کو پکڑ کر شیلف کے ساتھ لگایا۔ اسکے انداز میں اتنی سختی تھی کہ مہدی ہل بھی نہ سکا۔ قیس کمبیر کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔

"قاتلوں کی گردنیں جھکی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔" ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا اور اپنے ہاتھ کا زور اسکی گردن پہ بڑھایا۔ شیلف اسکے ماتھے پہ بری طرح رگڑا گیا۔

"تم نے میرے باپ، میرے خاندان کو قتل کیا۔ تم قاتل ہو۔"

"میں قاتل نہیں تھا۔" . . . . . اس نے ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کروایا۔ ماتھے پہ خون کی ہلکی ہلکی بوندیں تھیں۔ سبز آنکھیں آج جھکی نہ تھیں۔ "میں بچہ تھا۔ میں . . . قاتل . . . نہیں تھا۔ . . . میں . . بس . ایک بچہ . . تھا۔ صرف ایک بچہ۔" توڑ توڑ کر الفاظ ادا کئے۔ آنکھیں ایک پل کے لیے بھی اسکی آنکھیں نہ جھک سکیں۔

"آئندہ مجھ پہ ہاتھ مت اٹھانا قیس کمبیر۔ ورنہ خون میرا بھی وہی ہے جو تمہارا۔ ابال میرے خون میں بھی ویسے ہی اٹھتا ہے جیسے تمھارے میں۔ مرد میں بھی ویسا ہی ہوں جیسے تم۔" بازو کی آستین سے ماتھا صاف کیا۔ "غیرت مرے اندر بھی اتنی ہی ہے جتنی تمھارے اندر بلکہ تم سے شاید تھوڑی زیادہ کیونکہ" وہ آگے آیا۔ آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ "میں اپنی منگیتر کے لئے آخری دم تک لڑتا ہوں اور تم اس پہ گواہ کر دیتے ہو۔ سو آئندہ اگر مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔" وہ دو قدم پیچھے ہوا۔ "اگلی بار برابری ہو گی۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ راہ داریوں میں ذرا آگے جا کر وہ واش روم کی طرف مڑ گیا تھا۔ چند پل بعد آئینے کے آگے کھڑا مہدی کمبیر اپنی نم آنکھیں پونچھ رہا تھا۔

آنکھیں اٹھا کر آئینہ دیکھا۔ آج اس نے فوراً خود سے نظریں نہیں چرائی تھیں۔ آج وہ چند پل اپنی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا اسکی آنکھیں کائی کے جیسی سبز ہیں۔ اور انکے گرد ایک سرمئی لکیر بنتی ہے۔ یہ آنکھیں خوبصورت تھیں۔ مہدی کمبیر کو کوئی حق نہ تھا کہ ان سے نفرت کرے۔ وہ اب ان سے نفرت نہیں کرے گا۔ وہ ان آنکھوں کو معاف کرے گا۔

یہاں سے ذرا فاصلے پہ قیس کمبیر کے آفس میں واپس آؤ تو وہ ایک مجسمے کی مانند ساکن کھڑا تھا۔ نگاہیں کہیں دور جمی تھیں۔ لب مقفل تھے اور چہرہ ہر گزرتے لمحے سفید پڑ رہا تھا۔

کئی لمحے بعد اس نے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے اور میز کے قریب پہنچ کر کریڈل پہ دھرا فون اٹھایا۔ جانے کیوں مگر ہاتھوں میں لرزش تھی۔ چند لمحے بعد فون اٹینڈ ہو گیا تھا۔ اس نے کہنے کو الفاظ متجمع کئے، مگر کوشش کے باوجود کچھ کہہ نہ سکا۔ کال کٹ گئی اور پھر۔ اس نے بھی فون واپس کریڈل پہ رکھا۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں اور دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر جھک گیا۔ اسکے چوڑے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے مضبوط قدم بے سانس ہوئے۔ مہدی کمبیر اسکے سامنے بول رہا تھا؟

دروازے پہ دستک ہوئی۔ چند لمحے انتظار اور پھر کوئی وجود اندر آیا تھا۔ ہاتھوں میں کاغذات کے پلندے، چہرے پہ مصروفیت طاری۔ قیس اسے دیکھ کر سیدھا کھڑا ہوا۔ زینیا حاکم اسکے سامنے کھڑی تھی۔

شعور، لاشعور، علم لاعلمی، وجدان، الہام کیا تھا جو ان سنہری آنکھوں کو سیاہ آنکھوں کے متعلق ہو جاتا تھا؟

قیس نے اسے دیکھا۔ اور ہر چیز ذہن سے رفع ہونے لگی۔ قسمت؟ بخت، مکتوب، فرمان، کیا تھی وہ اسکے لئے؟ کیوں اسکے آتے ہی محل کے مظبوط ستون کو بھی سہارے ملنے لگتے تھے؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مایاڈی کروز ویڈز زریان داؤد۔

اس تختی کو غور سے پڑھتے، ہال کے اندر داخل ہو تو روش کے دونوں اطراف میں سفید پول کھڑے کئے گئے تھے۔ جن کے اوپر گلابی پھولوں کی لڑیاں تھیں۔

۔سفید اور گلابی رنگ کے ڈیکور میں ڈوبا یہ ہال آنکھوں کو خیرہ کرتا تھا۔اسٹیج پہ سفید لباس میں دلہن بیٹھی تھی،ساتھ اسکے سیاہ سوٹ والا دولہا۔کہیں باربی کیو بن رہا تھا تو کہیں کولڈ ڈرنکس کے گلاس آپس میں ٹکرا رہے تھے۔

ڈھلتی شام کا منظر تھا۔ہال میں زرد بتیاں جل رہی تھیں۔میزوں کے گرد رکھی کرسیوں کے اوپر گلابی اور سفید پھولوں کا چھجا بنا تھا۔مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اسی طرح کی ان میزوں کے گرد زینیا حاکم اور شیزل سیمسن بھی تھے۔زینیا کے لیے یہ شادی، تھیم،رسومات نئی تھیں۔

"ویسے میں اس وقت بھی راضی نہیں ہوں شیزل۔مجھے حد سے زیادہ برا لگ رہا ہے۔"پستہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی میکسی میں ملبوس بالوں کی فرنچ چٹیا بنا کر کندھے پہ آگے رکھے اور ہلکے پھلکے میک اپ والی زینیا حاکم مضطرب لگتی تھی۔"میرے کانٹریکٹ میں صاف صاف لکھا ہے میں پرائیویٹ فنکشنز نہیں کر سکتی۔اور تم اگر اصرار نہ کرتیں تو میں ہرگز یہاں نہ آتی۔"

ہلکے آسمانی رنگ کے لباس والی شیزل نے ابرو اچکائے۔"تم دونوں نے کانٹریکٹ کب کیا؟"

"پچھلے ماہ . . . . . قیسم ٹیکسٹائل شوٹ کے بعد۔"

"یار تم فکر کیوں کرتی ہو؟غلط کام کو اتنے دھڑلے سے کرو کی صحیح لگنے لگے۔"وہ بے فکر تھی۔"ایک تو یہ براق مجھے جواب کیوں نہیں دے رہا۔ "میسج بھیجتے ہوئے وہ جھنجلائی۔پھر رک کر زینیا کو دیکھا۔

"یہ کوئی پرائیویٹ فنکشن نہیں ہے میری بہن کی شادی ہے یار۔یہ فیملی فنکشن ہے۔ایزی۔ویسے یہ غلط صحیح کے چکر میں کیوں پڑ گئی ہو؟مہدی کمبیر کی صحبت کا اثر ہونے لگا ہے کیا۔؟"

مہدی کے ذکر پہ وہ مسکرائی۔"آدھا اسلام آباد تو ان موصوف کا دوست ہے۔یہاں نہیں آئے؟"اس نے آس پاس دیکھا۔وہ یونہی اچانک آجایا کرتا تھا۔

"مایا سے دوستی ہے اسکی۔کتنے فون کر چکی ہے وہ۔مگر آج مہدی صاحب کو بخار ہے تو شاید نہیں آئے گا۔"

زینیا نے محض سر ہلایا۔ اور موبائل پہ میسجز دیکھنے لگی۔ پھر اچانک مہدی کمبیر کی چیٹ کھولی۔ آخری میسج اسی کے تھے۔

"فائنلی مجھے اسلام آباد کی وہ کمیونٹی مل گئی جہاں آپ کا کوئی دوست نہیں ہے۔" اس نے لکھ کر بھیجا۔

اگلے ہی پل پیغام دیکھا گیا۔ اور کوئی پوری انرجی کے ساتھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔

"باخدا ایسی کوئی کمیونٹی ہے نہیں، اور اگر ہے تو مہدی کمبیر سوشل اسکلز کو تین طلاق دے دے گا۔" زینیا مسکرائی۔ اسی پل ایک اور میسج آیا۔ "ویسے ہو کہاں پہ تم؟"

"مایا اور داؤد کی شادی میں۔ یقینا آپ انوائٹڈ نہیں ہوں گے۔" دوسری طرف اب وائس ریکارڈ کی جانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ریکارڈنگ آئی۔ زینیا نے موبائل کان کے قریب کیا۔

"سرکار آپ ہمیشہ مجھے انڈر اریسٹیمیٹ کرتی ہیں۔ میں اس شادی کا مہمان خصوصی ہوں۔" ریکارڈنگ چل رہی تھی اور ساتھ وہ الماری کے پٹ کھول رہا تھا۔ "آپ اب مجھے اتنا مس کر رہی ہیں تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔" اس نے سفید کرتا شلوار نکالا۔ سرخ ہوتی ناک اور بخار کی وجہ سے لگتی سردی کے پیش نظر ایک شال بھی نکال لی۔

"میری راہ میں آنکھیں بچھانے کا وقت ہوا چاہتا ہے سرکار۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

زینیا ہنس پڑی تھی۔ پھر موبائل کان سے ہٹا کر کچھ لکھا تھا۔ "میں آپ کے آنے سے پہلے چلی جاؤں گی۔"

میسج بھیج کر اس نے موبائل رکھ دیا۔ اسے یقین تھا تھوڑی دیر میں بوریت ختم ہونے والی تھی۔ مہدی کمبیر آجائے گا اور بوریت ختم۔ مہدی کمبیر آج ائے گا اور اندیشے ختم۔ وہ آجاتا تھا تو سب اچھا ہو جاتا تھا۔ نہ جانے کیوں؟

تھوڑی دیر بعد ہال کے باہر براق حنیف کی گاڑی آکر رکی۔ شوفر نے دروازہ کھولا اور وہ عجلت میں باہر نکلا۔ ساتھ ایک ملازم کچھ گفٹس لئے کھڑا تھا۔ نیوی بلیو ڈنر سوٹ میں ملبوس اسکے چہرے پہ عجلت تھی۔ البتہ دوسری طرف سے کوئی بے حد سکون سے باہر آیا۔ آسمانی رنگ کے تھری پیس میں ملبوس، بالوں کو اچھے سے جمائے، ہاتھ میں مہنگی گھڑی اور کف پہ لگے ڈائمنڈ کف لنکس وہ خاصی تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

چشمہ اتار کر اب قیس کمبیر طائرانہ نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

"بھائی؟ معائنہ ہو گیا ہو تو چلیں؟ یا پھر ہال کا ڈی این اے بھی یہیں کرنا ہے؟" براق نے اسکے مسلسل ہال کو دیکھنے پہ چوٹ کی۔ قیس نے ایک بے نیاز نظر اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

"تمھارے پیر پڑنے پہ تمھارے ساتھ آگیا ہوں اسکا مطلب یہ نہیں کہ مجھ پہ حکم چلاؤ۔" وارننگ دیتا وہ اسکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ براق آج دوسری بار اپنے "سسرال" سے ملنے والا تھا۔ وہ بار بار اپنے بال سیٹ کرتا، کوٹ کی شکنیں درست کرتا۔

"میں ٹھیک لگ رہا ہوں ناں لو سفر؟" روش کے اختتام پہ رک کر اس نے پوچھا۔

"بلکل ایسے لگ رہے ہو جیسے بکرا سوٹ پہن کر آیا ہو۔" چلتے چلتے وہ رکا مڑ کر براق کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔ "شیزل کو بکرے بہت پسند ہیں۔" یقین دہانی کروائی گئی۔ براق مسکرایا۔ اور اگر آیا مگر چند پل بعد قیس کے ساتھ ساتھ اسکے قدم بھی رک گئے۔

اس نے قیس کی نگاہوں کے ارتکاز میں دیکھا۔ اسٹیج پہ فیملی فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔ ہر کوئی مسکرا رہا تھا۔ برائیڈ میڈز پھول لئے کھڑی تھیں۔ مگر قیس ان سب کو دیکھ کر نہیں رکا تھا۔ اسکی نظریں زینیا حاکم پہ جمی تھیں۔ ہاں یہاں سے اسکا نیم رخ نظر آتا تھا۔ مگر قیس اسے پہچان سکتا تھا، بس اسے ہی تو پہچان سکتا تھا وہ۔ ہجوم میں، بھیڑ میں، شور میں، خاموشی میں۔ یہ وہ شناخت تھی جسے وہ اب قیامت تک نہیں بھول سکتا تھا۔

چند پل وہ اسے دیکھتا رہا پھر اپنا موبائل نکال کر اسے کال ملائی۔ اسکی آنکھوں میں ایک بھرم سا تھا۔ دوسری طرف وہ تصاویر لینے میں مگن رہی۔ چند ایک تصاویر کے بعد اس نے کال اٹھائی اور ایک طرف ہو گئی۔ براق چپ چاپ تماشا دیکھتا رہا۔ وہ آگے بھی نہ بڑھ سکا۔

"کہاں ہو تم؟" سلسلہ ملتے ہی قیس کا پہلا سوال یہی تھا۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھول لیں، ہونٹ کاٹے۔

"ہوسٹل میں ہوں۔ کیوں کوئی کام ہے؟" وہ کس اعتماد سے جھوٹ بول رہی تھی۔ قیس کمبیر کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھرنے لگیں۔ وہ اسکے سامنے کھڑی اس سے جھوٹ کہہ رہی تھی۔ بھرم ٹوٹا۔ دور کہیں قیس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"لوگ کہتے ہیں تم مجھ سے جھوٹ بولنے لگی ہو۔ کیا یہ سچ ہے زینیا؟" ایک پل کو اسکی آواز بلکل بدل گئی تھی۔ غیر انسانی سفاک، بے رحم۔ "لیکن میں جانتا ہوں تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ تم ہاسٹل میں ہو ناں؟"

زینیا حاکم نے بے اختیار کسی احساس کے تحت مڑ کر دیکھا تھا۔ اور ایک لمحے کو وہ سانس نہ لے سکی۔ آس پاس کھڑے لوگ، روشنیاں سب بے معنی ہو گیا تھا۔ اگر کچھ باقی بچا تھا تو وہ دو لوگ تھے۔ روش سے ذرا آگے کھڑا قیس، اور اسکی سیدھ میں کھڑی زینیا حاکم۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ مگر وہ بھاری قدم لیتی آگے بڑھ آئی۔ ہاں اس سے غلطی ہوئی تھی مگر . . . . . وہ قیس کو کئی ماہ سے جانتی تھی۔

"وہ اسکی تصیح کرے گا، تذلیل نہیں۔"

وہ قیس کے قریب آ کر رکی۔ اسے یقین تھا وہ اسے سمجھا لے گی۔ ہاں ایک عورت کو یقین تھا کہ وہ ایک مرد کو سمجھا لے گی۔

"میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں کیا ہوا تھا اصل میں" . . . .

"کانٹریکٹ میں صاف صاف لکھا تھا کہ تم کوئی پرائیویٹ فنکشنز نہیں کر سکتیں۔ پھر تم یہاں کیا کر رہی ہو زینیا حاکم؟" وہ اسکی بات کاٹ کر بے لچک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اسکی آواز بلند تھی بلکل ابا کی طرح۔ اسکی آنکھوں میں حقارت تھی، بلکل ابا کی طرح۔ وہ آس پاس لوگوں کی پرواہ نہیں کر رہا تھا بلکل ابا کی طرح۔

"آہستہ بولو قیس . . . سب سن رہے ہیں۔"

"سب کو پتہ چلنا چاہیے ناں کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔ کس کی اجازت سے کر رہی ہو تم یہ پرائیویٹ فنکشن۔؟"

وہ ایک بار پھر بلند آواز میں پھنکارا تھا۔ زینیا کو یہ شخص غیر لگا۔ کوئی اجنبی، کوئی سفاک۔

"وہ میرے خاندان کو اپنا بے شک نہ سمجھے، کم از کم میرا خاندان سمجھ کر عزت دے۔"

"یہ پرائیویٹ فنکشن نہیں ہے یہ شیزل کی بہن ہے جسٹ لائک فیملی سو" . . . .

"اچھا فیملی؟" اسنے طنزاہونٹ کا کونہ اوپر اٹھایا۔ "تمہارا باپ عیسائی تھا یا تمہاری ماں؟ یا پھر آج کل کسی عیسائی پہ نظریں ہیں تمہاری؟"

براق نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کیا۔ زینیا بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ ذرا فاصلے پہ کھڑی شیزل بیچ میں کچھ کہنے لگی تھی مگر رک گئی۔ براق نے اسکا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کیا تھا۔

"میرے ماں باپ کے بارے میں تمیز سے بات کرو۔" کئی لمحے بعد اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ "میرے بارے میں تمیز سے بات کرو تم . . . تم . . مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ "اسے سمجھ نہ آیا جب کوئی مرد ذلیل کر رہا ہو تو اسے کیسے روکا جائے۔

"وہ جیسے دنیا کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، چاہے اتنا اچھا نہ سہی مگر میرے لئے بھی مروت کا مظاہرہ کرے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا تم چند ٹکوں کے لئے اتنا گر سکتی ہو کہ جھوٹ بولنے لگو۔ دھوکہ دینے لگو۔ اور پھر اپنی غلطی مان لینے کی بجائے تم جسٹیفکیشنز دے رہی ہو؟"

آس پاس چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ زینیا حاکم کو ہر آنکھ میں اپنے لئے حقارت نظر آئی۔ وہ اسے لوگوں کے سامنے بھری محفل میں کیسے ذلیل کر سکتا تھا؟

"میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری اس نوکری پہ۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔ آواز البتہ بلند نہیں تھی۔ "میں آج اور ابھی استعفیٰ دے رہی ہوں اور تم نے جو کرنا ہے وہ کر لینا۔"

"تمہاری اتنی اوقات نہیں ہے کہ تم استعفیٰ دو۔" اس نے زینیا کے ہاتھ سے کیمرہ جھپٹا اور پوری قوت سے زمین پہ دے مارا۔ کچھ وہ زمین پہ لگا، کچھ زینیا کے پیر کی انگلیوں پہ۔ درد کی ایک لہر سی تھی جو ریڑھ کی ہڈی سے اسکے دل تک اتری۔

اس نے شاکی نگاہیں اٹھا کر زمین پہ چکنا چور ہوئے اس کیمرے کو دیکھا۔ آس پاس ہر کوئی دم بخود رہ گیا تھا۔ زینیا حاکم سانس لینا بھول گئی۔ اسے دنیا گھومتی محسوس ہوئی۔

"یہ . . . کیمرہ . . . . مجھے . . . میرے . . . ابا نے . . . دیا . . . تھا۔" مارے شاک کے اسکے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔ وہ قیس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی اور کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ زمین پہ پڑے ان ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی انگلیوں سے رستا خون بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

"یہ ہے تم جیسی جھوٹی اور لالچی عورتوں کی اوقات۔ یہ ہے تمہاری سزا۔"

وہ اور بھی بہت کچھ بول رہا تھا شاید اس نے زینیا کو گالی بھی دی، شاید اسکے خاندان کو بھی کچھ کہا۔ آج اسے قیس کمبیر میں اپنا باپ نظر آیا تھا۔

آج اسے اس ویل ایجوکیٹڈ، ایک اعلیٰ رتبے کے مالک، ایک وجیہہ شخص میں اسے کچھ قابل غور نہ نظر آیا۔ اگر اس کے جسم سے اٹھتی مہک ختم کر دو، تو اس سے مقابلے کی بو آئے، اگر اسکے جسم سے برانڈڈ سوٹ غائب کر و تو وہ وہی عام ٹاکسک مرد کا حلیہ نظر آئے۔ آج اسے یقین آیا تھا کہ برا مرد، برا ہی لگتا ہے۔ چاہے اس نے اپنے ظاہری حلیے پہ لاکھوں لٹا رکھے ہوں۔

سیاہ آنکھوں والا آدمی مغلظات بکتے ہوئے چلا گیا تھا۔ زینیا اب بھی ششدر تھی۔ لوگ اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ براق حنیف اور قیس اب وہاں نہیں تھے۔ جس لمحے وہ باہر نکل گئے اسی لمحے مہدی کمبیر کی گاڑی ہال کے باہر آ کر رکی۔ پھولوں کا دستہ اور گفٹ لئے کچھ ملازم اسکے پیچھے پیچھے تھے۔

وہ روش سے اندر داخل ہوا۔ اور اسکے عین سامنے زینیا حاکم کھڑی تھی۔ شیزل اس سے کچھ کہہ رہی تھی، مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ کیمرے کر پرزوں سے اسکی نظر اوپر اٹھی۔

سفید کرتا شلوار کے اوپر نیلی شال اوڑھے وہ اسے دیکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ آس پاس سے بے خبر، بے فکر۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اسی پل اسکی نظر زینیا کے پیروں کے قریب پڑے اس ملبے پہ پڑی، اسکی آنکھیں فکر مندی سے سکڑیں۔ وہ تیزی سے آگے آیا۔ زینیا کی نظریں اسی پہ ٹک گئی تھیں۔ وہ اسکے قدموں کے قریب آ کر بیٹھا شال فوراً اتاری اور کیمرے کے سارے پرزے ایک ایک کرتا اس میں بھرتا گیا۔

وہ بھی چلا رہا تھا۔ لوگوں کو کوئی دوا لانے کو کہہ رہا تھا۔ اسے بھی برا لگا تھا مگر زینیا حاکم کے زخم دیکھ کر۔ اسے بھی غصہ آیا تھا مگر کیمرہ توڑنے والے پہ۔ کیمرے کے پرزے سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فکر مندی سے پتھر کا بت ہوئی زینیا حاکم کو دیکھا۔ وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"سر کار خیال رکھا کریں۔ یہ کیا کر لیا ہے آپ نے؟" وہ اس کے سامنے کھڑا فکر مندی سے اسکے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔ اور زینیا اسے۔ بس اسے۔ کئی سالوں سے اپنے لئے بنائے اسکی آئیڈلزم مرد کے سارے بت کہیں دور جا سوئے اور ان سب کی جگہ مہدی کمبیر نے لی۔

ایک لمحہ تھا جو آکر گزر گیا۔ اور اس ایک لمحے میں مہدی کمبیر اسکے لئے ایک مختلف انسان بن چکا تھا۔ ایک وجدان سا اسکے دل پہ اترا تھا اور اسے معلوم ہوا کہ اب اگر مہدی نہیں، پھر کچھ بھی نہیں۔ بس ایک لمحہ. . . صرف ایک لمحہ۔

"وہ لڑکی تمہاری ملکیت نہیں تھی۔ تم اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔" گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا براق حنیف چلا رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر زینیا کی حالت یاد آتی تھی۔

"وہ میری ملکیت ہے۔ تم ہمارے درمیان مت آؤ۔ میری ہے وہ صرف میری۔" اسکی آنکھیں، لہجہ سب عجیب تھا۔ بے حد عجیب۔

"اچھا واقعی؟ اب بھی اسی خوش فہمی میں ہو تم؟ کس بات کی ملکیت؟ کیسی ملکیت۔ وہ صرف ایک ایمپلائی ہے۔ تم اسکی غلطی کے لئے اس سے حرجانے لے سکتے ہو آفس بلا کر جھڑک سکتے ہو۔ مگر اس طرح ہزار لوگوں کے درمیان اسکی تذلیل نہیں کر سکتے۔ وہ تمہاری بیوی نہیں ہے؟"

"بیوی بنانے میں وقت بھی کتنا لگتا ہے؟"

براق تھم گیا۔ الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے۔ اسکی آنکھیں تفکر سے سکڑیں۔ اس نے قیس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟ وہ شادی شدہ ہے۔" براق کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

قیس مسکرایا۔ ایک جنونی، خبطی، آبسیسڈ مسکراہٹ۔ "وہ بیوہ ہے۔ عدت بھی گزر چکی ہے۔ شاید تم بھول رہے ہو۔"

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

براق کو وہ آدمی ناقابل یقین لگا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گیا۔ اسے سمجھ نہ آسکا وہ کیا کہے۔ "اس سے دور رہو قیس۔ وہ تمھارے لیے نہیں ہے۔"

"گاڑی روکو ڈرائیور۔" براق کی بات کے جواب میں وہ بس اتنا بولا۔ ڈرائیور گاڑی روک چکا تھا۔ قیس گاڑی سے اتر آیا اور دوسری طرف سے آکر براق کو بازو سے پکڑ کر اپنی گاڑی سے باہر نکالا۔ وہ لاکھوں روپے کے سوٹ، جوتے، اور خوشبوؤں میں رچی بسے ملینیئر کو ایک سنسان سڑک پہ چھوڑ خود گاڑی میں واپس آکر بیٹھا۔

"اگر کسی نے دوبارہ مجھے اس سے دور رہنے کو کہا، میں اسے اپنے ساتھ بھی نہیں رہنے دوں گا۔"

براق تو مارے حیرت کے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ اور نہ اسے موقع ملا۔ قیس کمبیر کی گاڑی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسٹ لکھ رہا تھا۔

"تمہیں دو تصاویر بھیج رہا ہوں۔ مجھے انکی ڈیٹیلز چاہیے۔ جب پیدا ہوئے تب سے لے کر اب تک کی۔ یہ دونوں کب، کس سے ملتے ہیں مجھے سب جاننا ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر۔"

اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اسکا سر دکھ رہا تھا، اسکا دل جل رہا تھا۔ وہ اس سے جھوٹ کیسے بول سکتی تھی۔ براق اسے زینیا حاکم سے دور رہنے کو کیسے کہہ سکتا۔ مہدی یہ سب ضرور مہدی نے کیا ہو گا۔

آخر یہ ساری دنیا اسکے پیچھے کیوں پڑ گئی تھی؟

چار گھنٹے بعد۔

کمبیر محل کے لان میں موجود اس مرد نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔ سیاہ آنکھیں آسمان پہ جمی تھیں۔ اور فون اسپیکر پہ ڈال کر اس نے میز پہ رکھ دیا۔

"کہو پھر تمہیں تفصیلات ملیں؟" دوسری جانب کوئی ہلکا سا ہنسا تھا۔

"کیا کمبیر صاحب۔ اپنے ہی خاندان کی تفصیل نکلواتے ہیں۔ چلیں پھر سن لیں۔ لڑکے کا نام مہدی کمبیر ہے۔ ماں برطانوی، باپ پاکستانی۔ دونوں کی پسند کی شادی مگر خاندان نے کبھی قبول نہیں کیا۔

آج کل وہ ٹریول کرتا ہے۔ مگر چھ ماہ سے وہ اسی ملک میں ہے۔ ملنے والوں کی لسٹ لمبی ہے مگر جس کی کال یا ایک میسج پہ فورا بھاگتا ہے وہ زینیا حاکم ہے آپ کی دوسری سسپیکٹ۔"

ایک لمحے کو اسکی آنکھیں ہرٹ سی ہوئیں۔ شاکی، اور حقارت بھری بھی۔

"لڑکی کا نام زینیا حاکم نواب ہے۔ گوادر میں رہتی ہے۔" گوادر نام پہ اسکی دھڑکن رک گئی تھی۔ سانسوں نے جسم کا ساتھ چھوڑنا چاہا۔

"اسکی منگنی کسی عبداللہ زمان کے ساتھ تھی مگر شادی بالاج میر سے ہو گئی مگر وہ اسے طلاق دے چکا ہے۔۔ "وہ رفتہ رفتہ بے سانس ہو رہا تھا۔ اسے لگا تھا کوئی اسکے دل پہ کوڑے مار رہا ہے۔

"لیکن وہ شادی بھی نہ چل سکی۔ اور اس نے دوسری شادی مہدی کمبیر سے کی ہے۔ چھ ماہ قبل ان دونوں کا نکاح ہوا تھا جو کہ اب تک موجود ہے میں"۔۔۔۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے کال کاٹ دی۔ آنکھیں شاک اور صدمے سے ایک نقطے پہ جم گئیں۔ جسم لرز رہا تھا۔ اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔ اسے اپنی ساری زندگی فریب لگی۔

قیس کمبیر کے ساتھ زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ ہو چکا تھا۔

اگلی قسط انشااللہ ایک ماہ بعد۔

(باقی آئندہ)

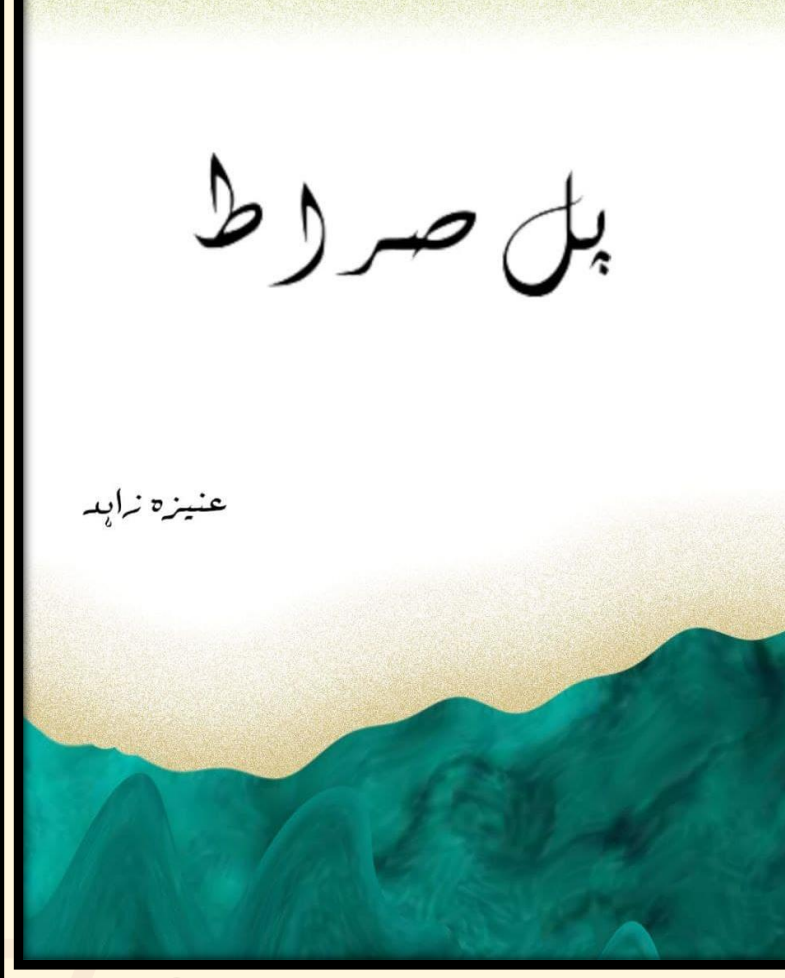

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آگئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔۔ اللہ۔۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ اور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

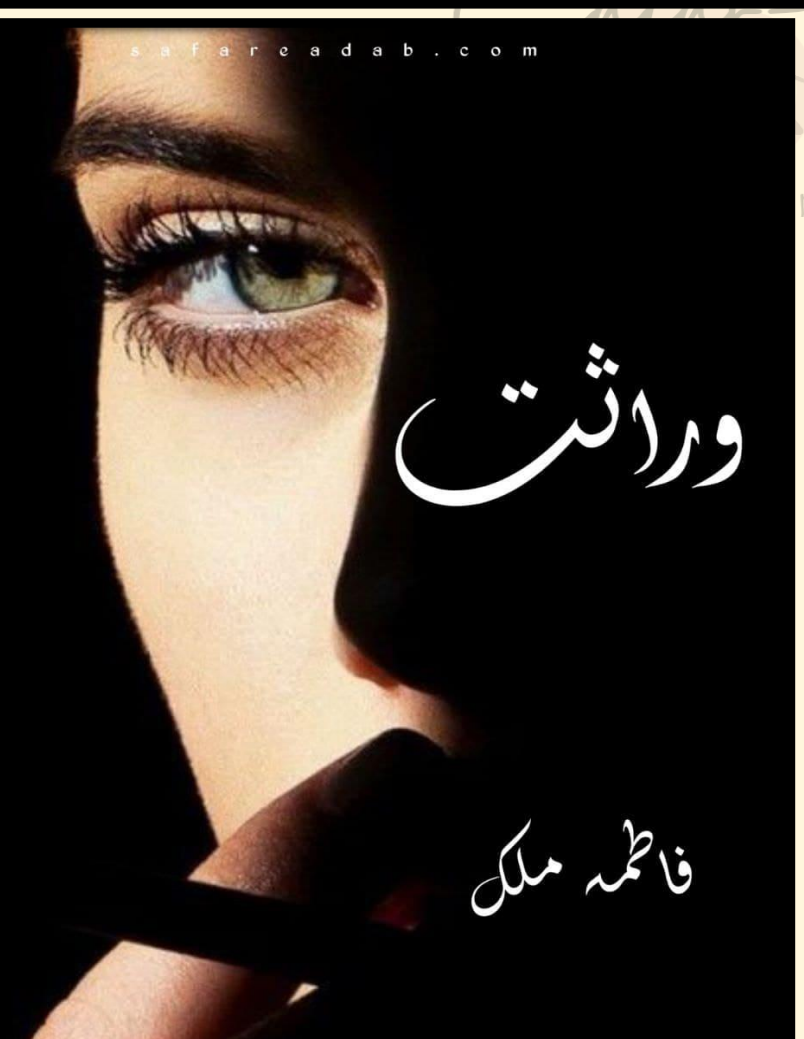

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف پیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول ہم آندھیوں کے بن میں کسی کارواں کے تھے

"کیا ہوا ہے نوروز۔۔؟ تمہارا موڈ کیوں بگڑ رہا ہے۔۔۔؟ " آفان نے گردن موڑ کر اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا جہاں اسے شاہزیب نوروز کو گھورتا ہوا دکھائی دیا۔۔۔

"یار یہ کیا معاملہ ہے۔۔۔؟ اور تم دونوں کی آپس میں کوئی ان بن ہوئی ہے کیا۔۔۔؟ " آفان نے بنا رکے سوال داغے تھے۔۔۔

"یار کلاس میں چلو سارا قصّہ سناتا ہوں۔ خواہ مخواہ زیادہ بے تکلف ہو رہا تھا مجھ سے اور بس ہو گئی ان بن۔۔۔ "نوروز سرگوشی کے سے انداز میں بڑبڑاتا ہوا کرسی سے اٹھا وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھے تھے۔۔۔

اندر آکر نوروز نے گزشتہ روز کا سارا قصّہ ان کے گوشِ گزار کر دیا۔۔۔

"ہاں تو اب کیا کروں یار دو سال اس کالج میں گزارنے ہیں میں نے اور خواہ مخواہ یہ دشمنی پال لی میری تو ایسی

کوئی انٹنشن بھی نہیں تھی۔۔۔ "نوروز اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا قدرے جھنجھلاہٹ سے بولا۔۔

"کیا ہو گیا ہے۔۔۔کچھ نہیں ہو گا۔۔۔اتنی نارمل سی چیز ہے کیوں سر پر سوار کر رہے ہو۔۔۔ٹیک اٹ ایزی " اب کہ بولنے والا عبدالرحمٰن تھا۔۔۔

"ویسے نوروز!!اسے کیسے پتا چلا کے تمہیں ڈنڈے پڑتے رہے ہیں۔۔۔؟میرا مطلب ہے تیر اسنے نشانے پر ہی پھینکا تھا۔۔۔ "آفان اپنی ہنسی دباتا اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔۔۔

"تم بھی کروانا چاہتے ہو اپنی خاطر داری۔۔۔؟ "ایک ابرو اٹھائے نوروز نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔۔

"ارے ارے!!ریلیکس بھئی اب غصّہ بھائی پر نکالو گے کیا۔۔۔ "آفان دونوں ہاتھ کھڑے کرتا سیدھا ہوا جبکہ عبدالرحمٰن آفان کے یکدم بدلتے تاثرات سے کافی محظوظ ہوا تھا۔

وہ ابھی بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر نوروز انہیں نہیں سن رہا تھا؛وہ تین لوگ تھے مگر ایک موجود ہو کر بھی غیر موجود تھا۔۔۔نوروز۔۔۔جو ہمیشہ ہر منظر میں ہو کر بھی کہیں غائب ہو جانے کا عادی تھا۔۔۔اپنی خیالوں کی دنیا میں پہنچ جانے والا اس کے سامنے منظر بدلنے لگا تھا،ماضی کے چند لمحات اسکی گہری آنکھوں میں آن ٹھہرے تھے۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب